غیر اسلامی حکومت

اور

مروجہ سیاست کے شرعی احکام

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

غیر اسلامی حکومت

اور

مروجہ سیاست کے شرعی احکام

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب	غیر اسلامی حکومت اور مروجہ سیاست کے شرعی احکام
افادات	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مرتب	مفتی محمد زید مظاہری ندوی
کمپیوزنگ	محمد نسیم القاسمی سہارنپور
صفحات	۱۵۲
قیمت	
اشاعت دوم	۱۴۳۲ھ

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ مکتبہ ندویۃ ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ، اشرف المدارس ہردوئی

☆ مکتبہ رحمانیہ، ہتورا، باندہ

اجمالی فہرست

باب (۱) دارالحرب دارالاسلام کی تحقیق ۱۷
باب (۲) مذہبی امور میں حکومت کو دخل کا حق نہیں ۳۲
باب (۳) قربانی اور گوشت خوری پر پابندی اور مسلمانوں کے لیے شرعی ہدایت ۳۹
باب (۴) حکام کی اطاعت کا بیان ۵۷
باب (۵) حکومت کی چوری ۶۳
باب (۶) دارالحرب اور سود ۷۰
باب (۷) غیر مسلموں کے حقوق ۸۵
باب (۸) صیانۃ المسلمین (اسلامی تنظیم چلانے کا مفید دستور العمل) ۱۰۲
باب (۹) مروجہ سیاست کے شرعی احکام ۱۱۵
باب (۱۰) سیاست کی قسمیں اور علماء کا منصب ۱۲۰
باب (۱۱) سیاست میں کفار و مشرکین سے مدد لینے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا حکم ۱۳۱
باب (۱۲) سیاسی اختلافات ۱۳۸
باب (۱۳) مروجہ سیاسی تدبیروں کے شرعی احکام ۱۴۲
باب (۱۴) مسئلہ امامت و امارت اور اس کے شرائط ۱۴۹

فہرست غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام

مضمون صفحات

باب ۱

دارالحرب دارالاسلام کی تحقیق.......... ۱۷
ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟.......... ۱۷
ہندوستانی غیر مسلم ذمی ہے یا حربی؟.......... ۱۸
جان و مال کی حفاظت کرنے والی حکومت شکر کی مستحق ہے.......... ۱۹
عملی معاہدہ......شرعی دلیل.......... ۲۰
کافر حکومت میں رہتے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا درست نہیں.......... ۲۲
عہد و پیمان کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں.......... ۲۲
ناحق کسی غیر مسلم کو قتل کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے.......... ۲۴
غیر ملکی قوموں کی مدد کرنا جائز نہیں جب کہ وہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہوں.......... ۲۵
غیر مسلم حکومت میں رعایا بن کر رہنے اور ہجرت کرنے کا شرعی حکم.......... ۲۶
کافر حکومت کی ماتحتی میں رہنے کی ممانعت پر ایک غلط استدلال اور اس کا جواب.......... ۲۸
دارالکفر سے ہجرت کرنے کا شرعی حکم.......... ۲۸
ہجرت کرنے کا حکم.......... ۳۰
مشروع ہجرت.......... ۳۱

باب ۲

مذہبی امور میں حکومت کو دخل دینے کا حق نہیں.. ۳۲
مذہبی امور میں حکام کی جبر اًدست اندازی کرنا اور مسلمانوں کا اس پر راضی ہو جانا..... ۳۳
اگر حکام کی طرف سے ناگوار بات پیش آئے یا وہ ظلم وزیادتی کریں................. ۳۴
مظالم کے وقت بھی حکومت سے مقابلہ کرنا ہمارا کام نہیں................................ ۳۶
عزت وعصمت کے لیے اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا... ۳۷

باب ۳

قربانی اور گوشت خوری پر پابندی اور مسلمانوں کے لیے شرعی ہدایت................. ۳۹
ہندؤں کو خوش کرنے یا اتفاق کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنا......................... ۴۰
دوسرے مذہب کی رعایت میں گوشت خوری ترک کرنا شریعت کی روشنی میں....... ۴۱
مزید تحقیق وتفصیل......غلط فہمی کا ازالہ... ۴۳
نابالغ اور نشہ کی حالت میں جو قرآن کی بے حرمتی کرے وہ بھی سزا اور تعزیر کا مستحق ہے...... ۴۵
کفار ومشرکین کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی شان میں گستاخیاں اور قرآن وحدیث کی تعلیم.. ۴۷
غیر مسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے بعد سچے دل سے معافی مانگیں تو مسلمانوں کو معاف کردینا چاہئے.. ۴۹
صلح واتفاق کے لئے شعائر اسلام کو ترک نہیں کیا جائے گا................................ ۵۱
بلاضرورت شرعیہ غیر مسلموں اور ان کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو.................. ۵۲
کفار کی مذمت اور ان کی برائی کرنے کا شرعی حکم.. ۵۴

غیر مسلم کافر کو بھی تکلیف پہنچانا اور غیبت کرنا جائز نہیں اور اگر کی ہے تو اس سے معافی مانگو ۵۴
مسلمانوں اور ہندوؤں کے حقوق سے معافی کا طریقہ ۵۵

باب ۴

حکام کی اطاعت کا بیان ۵۷
حکام کی اطاعت کے حدود اور مسئلہ کی مختلف صورتیں ۵۷
حکام کی اطاعت اور حکومت کے قوانین کی پابندی کا شرعی ضابطہ ۵۸
حاکم کے ظلم کرنے کی صورت میں شرعی حکم ۵۸
حاکم اگر دینی امور میں ظلم و زیادتی کرنے لگے اس صورت کا شرعی حکم ۵۹
حاکم کے ظلم کرنے کی صورت میں مظلومین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے شرعی حکم ۶۰
بعض حالات میں غیر اسلامی حکومتوں کی نصرت واجب ہے ۶۰
حاکم وقت اگر کسی مباح کا حکم دے تو وہ واجب ہو جاتا ہے ۶۱
حاکم کے حقوق رعایا پر ۶۱
محکوم کے ذمہ حاکم کے حقوق ۶۲

باب ۵

حکومت کی چوری اور قوانین کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ۶۳
کافروں کا مال کھانا ان کا حق دبانا جائز نہیں ۶۴
غلط فہمی کا ازالہ اور احتیاط کا مقتضی ۶۴
جن ٹکٹوں پر مہر نہ لگی ہو اس کا دوبارہ استعمال کرنا درست نہیں ۶۵
بغیر ٹکٹ یا خلاف قانون سفر کرنا درست نہیں ۶۶
حکومت کی طرف سے دی ہوئی سرکاری پنسل بھی اپنے کام میں لانا جائز نہیں ۶۶

کافر کا مال لینا مسلمان کا مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے ٦٧
ایک استدلال اور اس کا جواب ٦٨

باب ٦

دار الحرب اور سود ٧٠
دار الحرب میں حربیوں سے سود لینے کا مطلب، مسلک کی توضیح ٧٠
قائلین جواز کی دلیل...... جواز کے شرائط ٧١
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی رائے ٧٢
حضرت تھانویؒ اور دیگر علماء کی رائے کا فرق ٧٣
دار الحرب میں حربی سے سود لینے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی ایک تحقیق ٧٣
حضرت تھانویؒ کی رائے کی دلیل ٧٤
گنجائش کی صورت اور سودی رقم کا مصرف، شرعی دلیل ٧٦
حربیوں سے سود لینے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی سب سے آخری تحریر ٧٧

فصل

غیر مسلم حکومت کی ملازمت جائز اور اس کی تنخواہ حلال ہے ٧٩
ضرورت کے وقت ناجائز عہدوں کو بھی قبول کرنے کی اجازت ہے ٨١
شرعی تحقیق ٨٢
خلاف شرع فیصلہ کرنے والوں کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں ٨٣
کچہری اور بینک کی ملازمت ٨٣

باب ٧

غیر مسلموں کے حقوق ٨٥

کفار کے ساتھ تعلق رکھنے کی تین صورتیں ۸۵
کافروں کی مدد کرنے کے متفرق احکام ۸۶
موالات اور کفار سے تعلقات رکھنے کے متفرق احکام ۸۶
کافروں کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی ترغیب ۸۷
کافر کے ساتھ ہمدردی ۸۹
غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کی تین صورتیں ۸۹
غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ورواداری ۹۰
سنبھل کر دوستی کرو ۹۱
الکفر ملۃ واحدہ ۹۲
کفار ومشرکین کے ہدایا وتحائف خصوصاً دیوالی وغیرہ کے موقع پر لین کا حکم ۹۴
کافروں سے معاملات یعنی خرید وفروخت اور ملازمت کرنے کا حکم ۹۴
کافروں سے خدمت لینے اور ان کی خدمت کا شرعی حکم ۹۴
ہندوؤں کی دوکان سے مٹھائی وغیرہ خریدنا ۹۵
کافروں کے گھر کا اور ان کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھانا ۹۵
غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا ۹۶
مدرسہ ومسجد میں غیر مسلم کا چندہ ۹۶
غیر مسلموں کی بھیجی ہوئی افطاری کا حکم ۹۷
کافروں سے سلام کرنے اور ان کے سلام کے جواب دینے کا حکم ۹۷
کافر پڑوسی کی دعوت جائز ہے ۹۸
کافروں کے ایسے جلسوں اور مجمعوں میں جو کسی جائز مقصد کیلئے ہوں ۹۹

شرکت و اعانت جائز ہے، اشتہار تقسیم کرنا بھی جائز ہے ۹۹
غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں سیر و سیاحت اور زیارت کیلئے جانا ناجائز ہے ۱۰۰

باب ۸

اسلامی تنظیم چلانے کا مفید دستور العمل ۱۰۲
تکمیل اسلام و تبلیغ اسلام دونوں ہی کی ضرورت ہے ۱۱۰
کافروں کو تبلیغ اسلام کی ضرورت اور اس کا طریقہ ۱۱۱
غیر مسلموں میں کام کرنے کی ترتیب، کافروں کو اسلام کی تبلیغ کا طریقہ ۱۱۲
موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کی جائے یا غیر مسلموں کو ۱۱۳
مشہور شخصیت سے مسلمان نہ کرانا چاہئے ۱۱۴

باب ۹

مروجہ سیاست کے شرعی احکام ۱۱۵
حکومت و سیاست بھی شریعت کا اہم شعبہ ہے، اسلام نے سیاست کی بھی تعلیم دی ہے ۱۱۵
سیاسی ترقی کے حدود اور علماء کے مخالفت کی حقیقت ۱۱۷
مفاد پرست لیڈروں کے تابع نام نہاد علماء ۱۱۹

باب ۱۰

سیاست کی قسمیں اور علماء کا منصب، سیاست کے دو حصے ۱۲۰
سیاست میں کودنا علماء کا منصب نہیں ۱۲۱
نبی کے لیے بھی سیاست میں حصہ لینا ضروری نہیں ۱۲۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم شانِ نبوت و شانِ سلطنت دونوں کے جامع تھے ۱۲۳

موجودہ دور میں دونوں شانوں کے جمع کرنیکی صورت اور حکام وعلماء کی ذمہ داری ۱۲۳
اولوالامر کون لوگ ہیں؟، کام کی تقسیم اور کامیابی کا طریقہ ۱۲۴
لیڈروں استادوں کی ذمہ داری ۱۲۵
نام نہاد لیڈروں کی بدحالی ۱۲۶
طلبۂ مدارس کی سیاست میں شرکت ۱۲۷
دینی مدارس میں سیاست کی تعلیم ۱۲۸
مروجہ سیاست میں علماء کے شریک نہ ہونے کی ایک وجہ ۱۲۹
علماء کو سیاست میں حصہ لینا کب ضروری ہے ۱۲۹
علماء کی سیاسی جماعت کا طریقہ کار ۱۳۰

باب ۱۱

سیاست میں کفار مشرکین سے مدد لینے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا شرعی حکم ۱۳۱
فاسقوں، فاجروں اور بدعتیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا حکم ۱۳۲
سیاست میں کافر کی اقتداء ۱۳۲
مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے مستحکم ومتحد ہونے کی ضرورت ۱۳۳
موجودہ حالات میں کس پارٹی سے مل کر کام کریں، اصولی بحث اور ضروری تمہید ۱۳۴
کسی سیاسی پارٹی میں شریک ہونے کے بعد علماء وعوام کے لیے لائحۂ عمل ۱۳۶

باب ۱۲

سیاسی اختلافات، سیاسی مسائل میں اختلاف کی بنیاد ۱۳۸
سیاسی، اجتہادی مسائل میں اختلاف کرنے کا حکم ۱۳۹

سیاسی امور میں اہل حق کا مسلک ۱۳۹
سیاسی مسئلہ میں شرعی حکم میں اگر علماء کا اختلاف ہو جائے ۱۴۰
سیاسی مسائل میں عوام کس کے فتوے پر عمل کریں ۱۴۰

باب ۱۳

مروجہ سیاسی تدبیروں کے شرعی احکام ۱۴۲
یا تو قتال یا پھر صبر، اس کے علاوہ بھوک ہڑتال، جیل بھرو تحریک شرعی حکم کے خلاف ہے ۱۴۲
کافروں سے بائیکاٹ اور ان سے قطعاً معاملات نہ کرنے کا شرعی حکم ۱۴۲
ہڑتال کرنے کا شرعی حکم ۱۴۴
شرعی قاعدہ کا مقتضیٰ ۱۴۵
از خود بھوکا رہ کر جان دینے کا شرعی حکم ۱۴۵
حکومت کے خلاف بائیکاٹ کرنے اور حکومت کی قانون شکنی کا حکم ۱۴۶
خلاف قانون گولا، بارود، بم بنانا ۱۴۸

باب ۱۴

مسئلہ امامت، و امارت اور اس کے شرائط ۱۴۹
حدیث من لم یعرف امام زمانہ کی تشریح ۱۵۰
کسی امیر و سلطان کی اتباع واجب ہے ۱۵۰
جس نے کسی امام سے بیعت نہیں کی کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا؟ ۱۵۱
الائمة من قریش ۱۵۱
شرعی حاکم نہ ہونے کی صورت میں اہل حل وعقد حاکم کے قائم مقام ہوں گے ۱۵۲

رائے عالی

عارف باللہ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ ”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“

خداوندقدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور موعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے، حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندو پاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی تین درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ
خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

تاثرات

قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تجدید وحکمت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں تفقہ فی الدین کی دولت عطا فرمائی تھی وہ علوم اجتماعی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، افراد اور جماعتوں کے مسائل وامراض اور اسلام کی روشنی میں ان کے علاج میں ان کی کوئی نظیر نہیں رکھتا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنی دقت نظر، فکر عمیق، تفقہ، مسائل حاضرہ اور جدید حوادثات ومشکلات پر اپنی اصولی نظر نیز جامعیت کے اعتبار سے انتہائی ممتاز شخصیت رہے ہیں۔ علوم اسلامیہ کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس میں ان کی کوئی تحریر موجود نہ ہو، اور امت کا شاید ہی کوئی عام سے عام اور اہم سے اہم مسئلہ ہو جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو، حضرت تھانویؒ آج ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن ان کی تصنیفات ہمارے پاس ہیں۔ مختلف موضوعات پر ان کے تحقیقی افادات، ان کی ہزاروں صفحات پر مشتمل تحریروں میں بکھرے ہوئے ہیں، ضرورت تھی کہ ان افادات کو موضوعات کے مطابق جمع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قیمتی خدمت عزیز گرامی قدر مولانا محمد زید صاحب استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے مقدر میں رکھی تھی انہوں نے مخدوم گرامی مولانا قاری محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی میں اس عظیم کام کو انجام دینا شروع کیا۔ مجھے موصوف کی صلاحیتوں کا اندازہ فقہ اکیڈمی کے سمیناروں میں ہوا، اور مجھے یہ یہ توقع قائم ہوئی کہ موصوف کچھ بڑا کام انجام دیں گے۔ الحمد للہ کہ مولانا

موصوف اس توقع پر پورے اترے اورانہوں نے حضرت تھانویؒ کے افادات کے متعدد مجموعے مختلف موضوعات پر مرتب فرمائے۔

اب ان کا ایک اہم کارنامہ کئی سو صفحات پر مشتمل ''امامت و سیاست'' کے موضوع پر حضرت تھانویؒ کے افادات کے مجموعہ کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ فہرست مضامین کے مطالعہ سے ہی اس کی جامعیت وسعت اور افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس وقت جب کہ اسلامی بیداری بین الاقوامی سطح پر تیزی سے ابھر رہی ہے اور ایک بڑا طبقہ عبادت کے ساتھ سیاست اور اسلام کے اجتماعی اصولوں کی واقفیت بھی چاہتا ہے اور آنے والے وقت میں سیاست کو اسلامی اصول کی روشنی میں منضبط کرنے کی جدوجہد بھی بڑھتی جائے گی ایسے وقت میں علماء حق کی یہ رہنمائی چراغ راہ ثابت ہوسکتی ہے۔ میں اس مجموعہ کی ترتیب کے لیے مولانا محمد زید صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور یہ امید کرتا ہوں کہ تحقیقی کام کرنے والے ادارے اس مجموعہ کا خلاصہ عربی اور انگریزی میں بھی منتقل کریں گے جس سے اس کا فائدہ عام ہوگا۔ انشاء اللہ۔ فقط

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار
۱۰/محرم ۱۴۱۷ھ

عرض مرتب

اسلام اور مسلمانوں پر مختلف انواع کے حملے چہار جانب سے ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں۔ ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ادھر چند برسوں سے صورتحال کچھ زیادہ ہی سنگین ہوتی چلی جارہی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ صرف نفرت بڑھانے بلکہ ان کے خلاف ہر ممکن کوشش، مادی وفکری تمام حربے استعمال کئے جانے لگے ہیں، مسلمانوں کے حق میں یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔

لیکن زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس طرف توجہ کم ہی لوگوں کو ہے جو سنجیدگی سے اس امر پر غور کریں کہ ان حالات کے پیدا ہونے کے حقیقی اسباب کیا ہیں؟ ہماری مظلومیت کی اصل وجہ کیا ہے؟ اور ہم رب العالمین احکم الحاکمین کی نصرت سے کیوں محروم ہیں اور ان جیسے حالات میں اب ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ اس مقصد کے پیش نظر احقر نے ایک رسالہ ’’مذہب و سیاست‘‘ (ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی) حضرت تھانویؒ کے افادات کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کیا تھا۔ ضخامت اور موضوع کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ’’مذہب وسیاست‘‘ میں ہماری بدحالی کے حقیقی اسباب اور ان کے تدارک کی ظاہری و باطنی تدبیریں اور یہ کہ ان حالات میں ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ بیان کیا گیا ہے۔

اس رسالہ ’’غیر اسلامی حکومت اور مروجہ سیاست کے شرعی احکام‘‘ میں بقیہ مباحث سیاست کی قسمیں، علماء ولیڈروں کی ذمہ داریاں تقسیم کار، سیاست میں کفار

مشرکین سے مدد لینے، کسی پارٹی میں شریک ہونے اور شریک ہونے کے بعد مختلف ذمہ داریاں، سیاسی اختلافات اور ان میں راہ اعتدال، غیر اسلامی حکومت میں رہنے یا ہجرت کرنے، حکومت کافرہ کے قوانین کی خلاف ورزی یا چوری کرنے یا سود لینے دینے وغیرہ کے شرعی احکام، نیز مسئلہ امامت وامارت اور اس کے شرائط، عقل ونقل اور تجربات کی روشنی میں تفصیل سے عرض کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ ''اسلامی حکومت و دستور مملکت عقل ونقل کی روشنی میں'' نامی کتاب میں حکومت اسلامیہ کی ضرورت واہمیت، طریقہ کار، مقصد، شخصی حکومت یا جمہوری سلطنت، اسلامی عدالت، احکام جہاد، اور حکومت اسلامیہ سے متعلق ضروری احکام اور مختلف مباحث عقل ونقل کی روشنی میں جمع کردیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور طبع ہوچکی ہے۔

مضامین سب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ہیں، انتخاب وترتیب وعناوین احقر کے قائم کردہ ہیں۔ اللہ پاک زائد سے زائد مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ ملک وملت سیاست کے میدان میں کام کرنے والوں کے ہاتھوں تک اس کتاب کے پہنچانے کی سعی فرمائیں شاید یہ رسالے ان کے لیے راہ نما ثابت ہوں اور کسی صاحب خیر کو توفیق ہو تو دوسری مختلف مروجہ زبانوں میں اس کی اشاعت فرمادیں۔

وما التوفیق الا باللہ العلی العظیم.

محمد زید غفرلہ
۵/شوال ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب (۱)

دارالحرب ودارالاسلام کی تحقیق

ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟

کسی نے دریافت کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟

فرمایا! عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ جہاں حرب (لڑائی) واجب ہوسواس معنی کرتو ہندوستان دارالحرب نہیں کیوں کہ یہاں (آپسی) معاہدہ کی وجہ سے حرب (لڑائی) درست نہیں۔

مگر شرعی اصطلاح میں دارالحرب کی تعریف یہ ہے کہ:

’’جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو‘‘ اور ہندوستان میں غیر مسلم کا تسلط (غلبہ) ہونا ظاہر ہے مگر چونکہ دارالحرب کے نام سے پہلے غلط معنی کا شبہ ہوتا ہے اس لیے ’’غیر دارالاسلام‘‘ کہنا اچھا ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک دارالامن، دوسرے دارالخوف۔

’’دارالخوف‘‘ وہ ہے جہاں مسلمان خائف ہوں اور ’’دارالامن‘‘ وہ ہے

جہاں مسلمان خائف نہ ہوں۔ سو ہندوستان دار الامن ہے کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفناک نہیں، اور حرب (لڑائی) بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے۔[1]

فرمایا دار الحرب کے معنیٰ ''دار الکفر'' کے ہیں پھر اس دار الحرب کی دو قسمیں ہیں ایک دار الامن، ایک دار الحرب۔

دار الامن میں بہت سے احکام دار الاسلام کی طرح ہوتے ہیں سو ہندوستان دار الحرب ہے لیکن ہے دار الامن، اس لیے زیادہ تر معاملات میں یہاں دار الاسلام ہی کے احکام پر عمل درآمد ہوگا۔[2]

ہندوستانی غیر مسلم ذمی ہیں یا حربی؟

سوال (۵۰۷): ہمارے ہندوستان میں جو کفار لوگ ہیں ذمی ہیں یا حربی مسلمان لوگوں کو امور دینیہ میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟

الجواب: لا ذمي لعدم دخولهم تحت حماية و آل مسلم و لا حربي محارب بل حربي مسالم و مستامن و أكثر احكامهم كالذميين۔[3]

ترجمہ: (ہندوستانی کفار) نہ تو ذمی ہیں کیونکہ کسی مسلمان والی کی ماتحتی میں نہیں، اور نہ ہی حربی ہیں، (جیسا کہ ظاہر ہے) بلکہ ایسے حربی ہیں جن سے مصالحت ہے اور امن وامان سے رہنا چاہتے ہیں۔ اور ان کے اکثر احکام ذمیوں کی طرح ہیں۔

مسئلہ: اہل حرب (یعنی لڑنے مرنے والے حربی غیر مسلم) کے اموال کا احراق

---

[1] حسن العزیز ۳/۱۲۷۔ الافاضات الیومیہ جلد ۸ ص ۱۸۱ قسط: ۱۔

[3] امداد الفتاوی ۴/۴۴۶۔

یا افساد و قطع اشجار وغیرہ (یعنی ان کے جان و مال کو تباہ و برباد کرنا جلانا کاٹنا) جب اس میں مصلحت ہو جائز ہے کذا فی الہدایۃ والروح وغیرہما[1]

جان و مال کی حفاظت کرنے والی حکومت شکر کی مستحق ہے اس کے خلاف شورش نہیں کرنا چاہئے

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے باشندے مسلمان ہو جائیں اور وہاں تکلیف سے نجات ملے، وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ نہایت گستاخانہ سلوک کیا تو آپ بددل ہو کر پھر مکہ معظّمہ واپس تشریف لائے اور مطعم بن عدی کو اطلاع فرمائی کہ اگر مکہ والے مجھے امن دیں تو میں شہر میں رہوں ورنہ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں، اس وقت مطعم بن عدی نے مکہ والوں سے کہا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی، خبردار کوئی ان کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ اس وقت ہجرت مدینہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی پناہ کی وجہ سے مکہ میں تشریف فرما رہے۔

ان کی اس ہمدردی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شکریہ ظاہر فرماتے تھے۔ اسی کے صلہ میں اس وقت جب کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا اور بہت سے کفار مارے گئے، اور بہت سے قید ہو کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان کفار کے متعلق گفتگو کرتے تو میں ان کی خاطر چھوڑ دیتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شکر گذاری کے لیے ایسا فرماتے تھے۔

اس وقت بعینہ یہی حالت ہے ان حکام کے ساتھ کہ جس طرح مطعم بن عدی

---

[1] بیان القرآن سورہ حشر ۱۱/۱۲۲۔

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی اور آپ ان کے ممنون اور شکر گذار تھے اسی طرح حکام وقت ہمارے محافظ ہیں اور ہمارے امن کے ذمہ دار ہیں ہم کو بھی ان کا شکر گذار رہنا چاہیئے جس کا ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہئے کہ کوئی ایسی سورش نہ کریں جس سے حکام تشویش میں پڑ جائیں [1]

عملی معاہدہ

فرمایا مدت سے میرا خیال ہے کہ کفار سے جیسے باقاعدہ زبانی یا تحریری معاہدہ ہوجاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوجاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہوجاتا ہے کہ باہمی طرز معاشرت تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہوں یہ بھی ایک قسم کا عملی عہد ہے اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے۔

اگر کسی وقت ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے ان کو نبذ عہد کے طور پر متنبہ کردیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں۔ پھر فریقین کو اپنے اپنے فعل کا اختیار ہے اور اس نبذ عہد (یعنی متنبہ کئے بغیر) ایک قسم کا غدر (دھوکہ) ہے جو شریعت اسلامیہ میں کسی حال میں کسی کافر سے جائز نہیں۔

قبطی کا واقعہ سورۃ قصص کی آیت میں مذکور ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی کے قتل ہوجانے کا ذکر ہے، یہ واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ آپ کے متعلقین اور قبطی کفار دونوں فرعونی سلطنت کے باشندے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے مامون (اور مطمئن) تھے۔ اسی حالت میں قبطی کا اچانک قتل ہوجانا عہد عملی کے خلاف تھا۔ اس لیے اس پر عتاب ہوا اور

---

[1] ملفوظات کمالات اشرفیہ ص ۱۱۴، مطبوعہ پاکستان۔

استغفار و مغفرت کی نوبت آئی۔ رہا یہ سوال کہ جب یہ قتل معصیت تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیسے صادر ہوا؟

اس کا جواب ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قصداً قتل نہیں کیا معمولی ضرب اس کو ہٹانے کے لیے لگادی تھی۔ اتفاق سے مرگیا اس لیے معصیت کا صدور ان سے نہیں ہوا۔ تاہم صورت معصیت کی تھی۔ اس لیے پیغمبر خدا نے اس کو معصیت ہی کے برابر سمجھ کر استغفار کیا۔

پھر فرمایا یہ میرا خیال ہے اگر اس کا ثبوت کتاب وسنت یا علماء اہل حق کے کلام میں مل جائے تو اس کے حوالہ سے لکھا جائے۔

حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اسی روز تحقیق کی، تو بحمداللہ صحیح بخاری کی ایک حدیث بروایت مغیرہ بن شعبہ میں اس کا ثبوت اور قسطلانی شرح بخاری میں اس کی تصریح نکل آئی۔[1]

شرعی دلیل

وفي المقام تفريعان يتعلقان بقصة موسىٰ عليه السلام مبنيان علی كون ما قص الله ورسوله علينا من غير نكير حجة لنا ...... والثانی كون المعاهدة التي تحرم دم الحربي عاماً للقالي والحالي فإن موسيعليه السلام لم يعاهدهم قالاً فلو لا ينعقد العهد بالحال كان دم القبطي مباحاً فلا معنى لتسمية قتله عمل الشيطان واستغفاره منه هذا.[2]

خلاصۂ ترجمہ : دوسرا مسئلہ: جو اس اصل پر مبنی ہے کہ جس قصہ کو اللہ ورسول

---

[1] خاتمۃ السوانح ص ۲۱۳، رسالہ الصیانۃ ص ۳۶، مارچ ۱۹۹۳ء۔ بخاری کتاب الشروط ۱/۳۷۹، قسطلانی ۳/۳۷، احکام القرآن عربی ۳/۱۷۔ [2] بوادر النوادر ص ۱۰۸۔

نے بغیر نکیر کے بیان فرمایا ہو وہ ہمارے لیے حجت ہے۔ وہ معاہدہ جس سے حربی کا دم حرام ہوتا ہے (یعنی اس کا قتل ناجائز ہوتا ہے) وہ عام ہے۔ قالی وحالی کو کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے قولاً معاہدہ نہیں کیا تھا، پس اگر حال کے ذریعہ معاہدہ نہ ہوتا، تو قبطی مباح الدم ہوتا پھر اس قتل کو شیطان کا عمل کہنے اور اس سے استغفار کے کوئی معنی نہیں۔

کافر حکومت میں رہتے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا درست نہیں

اگر کافر حاکم سے معاہدہ ہو جائے تو اس معاہدہ کا پورا کرنا واجب ہے لقولہ تعالیٰ ''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ'' الخ (اور وعدوں کو پورا کرو) البتہ اگر شرعی ضرورت اس عہد کے توڑنے کی ہے تو پہلے اس معاہدہ کے ختم کر دینے کی اطلاع کر دے لقولہ تعالیٰ ''فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ''۔

(اور اگر کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں)

ورنہ غدر (دھوکہ) کا سخت گناہ ہے لقولہ تعالیٰ: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ۔
(بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)[1]

عہد و پیمان کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں

جب مسلمان رعایا بن کر ہندوستان میں رہے اور حکام سے (اس بات کا) عہد و پیمان کر چکے کہ کسی حاکم یا رعایا کے جان و مال میں دست اندازی نہ کریں گے اور کوئی امر خلاف اطاعت نہ کریں گے تو مسلمانوں کو عہد و پیمان کے خلاف کرنا یا حکام کی کسی

---

[1] فروع الایمان ص ۷۸۔

قسم کی مخالفت یا خیانت کرنا ہرگز درست نہیں، اور نہ ہی رعایا (یعنی اس ملک کے باشندوں مثلاً ہندوؤں وغیرہ) کے ساتھ عہد کے خلاف اور خیانت کرنا درست ہے۔

عہد کے پورا کرنے کی مسلمانوں کے مذہب میں اس قدر تاکید ہے کہ شایہ کسی دوسرے مذہب میں نہ ہو: ”قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَأوُفُوُ بِالُعَهُدِ إنَّ الُعَهُدَ كَانَ مَسُئُولاً“۔

ترجمہ: عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں قیامت کے روز باز پرس ہوگی۔

عہد شکنی کی سخت ممانعت ہے اور کسی سے عہد کر کے اس کے خلاف کرنے پر بہت دھمکی دی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اَلاَ مَنُ ظَلَمَ معاهِداً اَوِ نُتَقَصَهُ اَوُ كلَّفَهُ فوق طاقته او اَخَذَ منهُ شيئاً بغَيُر طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة“۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کو فرماتے ہیں کہ جو کسی غیر مذہب سے عہد کر کے اس پر ظلم کرے یا ان کو کوئی عیب لگا دے اور اس کی بلاوجہ توہین کرے یا اس پر زائد مشقت ڈالے، یا اس کے مال میں سے کوئی چیز بغیر اس کی رضامندی کے لے لے تو قیامت کے دن اللہ کے روبرو میں اس سے جھگڑا کروں گا۔ (یعنی اس کے مقابلہ میں حجت کروں گا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نائبوں کو عام تعلیم یہ ہوتی تھی کہ: **لا تغدروا**، یعنی عہد کے خلاف نہ کرو، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

”ذمة المسلمين واحدة يسعٰى بها ادناهم فمن اخفر مسلماً فى ذمته فعليه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين لا يقبل اللّٰه يوم القيامة صوماً ولا عدلاً“۔

ترجمہ: یعنی مسلمانوں کا ذمہ اور عہد ایک ہے اگر ایک مسلمان کسی غیر مذہب والے سے معاہدہ کرلے گا تو سب مسلمانوں پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اگر کسی مسلمان کے عہد کو جو اس نے کسی کے ساتھ کیا تھا کوئی دوسرا مسلمان توڑنا چاہے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عہد شکن کی کوئی عبادت فرض یا نفل ہرگز قبول نہ کرے گا[1]

ناحق کسی غیر مسلم کو قتل کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے

اسی طرح کسی کو بے گناہ اور بلاوجہ قتل کردینا خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ ”قال اللہ تعالیٰ: وَلاَ تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللہ إلاَّ بِالْحَقِّ“۔

یعنی جس جان کے قتل کو خدا تعالیٰ نے حرام کردیا ہے اس کو ناحق نہ مار ڈالو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”مَنْ قَتَلَ مُعَاهداً بِغَيْرِ حَقٍّ لَمْ يَرِحَ رَائِحَةَ الجَنَّةِ“ یعنی جس نے کسی کے ساتھ عہد کرکے اس کو قتل کیا وہ جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا۔ علی ہذا فقہ کی تمام کتابیں ان مسئلوں اور روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

پس مسلمانوں کو اپنے عہد کے موافق حکام کی تابعداری جس میں کچھ معصیت نہ ہو ضروری ہے اور کسی قسم کی بغاوت اور مخالفت اور مقابلہ اور خیانت جائز نہیں۔[2]

---

[1] بیاض اشرفی ص ۵۶، فتوی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ [2] بیاض اشرفی۔

غیر ملکی قوموں کی مدد کرنا جائز نہیں جب کہ وہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہوں

اگر کوئی مسلمان یا غیر مسلمان ہمارے حکام کے مقبوضہ مما لک سے خارج ہیں (یعنی غیر ملکی) ان ہمارے حکام کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی کرنے اور ان پر حملہ کرکے آئیں تو ہم کو اس قوم کے ساتھ ہونا اور ان کو مدد بھی ہرگز دینا درست نہیں۔ کیونکہ یہ بھی عہد کے خلاف ہے۔ ’’قال اللہ تعالیٰ: وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ‘‘۔

یعنی اگر اہل اسلام مدد چاہیں تم سے دین کے مقابلہ میں پس تمہارے اوپر مدد کرنا ضروری ہے مگر اس قوم کے معاملہ میں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو چکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا ان لوگوں سے مقابلہ ہو جن سے تم عہد و پیمان کر چکے ہو تو مسلمانوں کا ساتھ مت دو، پس مسلمانوں کو ہر حال میں اسے عہد کی رعایت کرنی چاہئے نہ خود مخالفت کریں نہ کسی مخالف کی اعانت کریں۔ اگر اس کے خلاف کریں گے تو سخت گنہ گار اور مستحق عذاب ہوں گے[1]

---

[1] بیاض اشرفی۔

فصل

غیر مسلم حکومت میں رہنے اور ہجرت کرنے کا شرعی حکم

سوال: زید کہتا ہے کہ کسی مسلمان کا کفار کی حکومت میں رہنا جائز نہیں اس کے الفاظ یہ ہیں، کہ کسی مسلمان قوم کا کسی کافر کے تحت میں رہ کر زندگی بسر کرنا دو حال سے خالی نہیں۔

اوّل یہ کہ وہ ان کے سیاسی و سرکاری محکموں میں عہدے قبول کریں گے یا نہیں۔

دوسری شکل میں ان کی سیاسی طاقت رفتہ رفتہ بالکل ختم ہو جائے گی اور وہ دنیا کے واسطے عضو معطل سے زیادہ بے کار ثابت ہوں گے۔

اور اگر پہلی صورت ہے یعنی سرکاری عہدے قبول کریں تو ''وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ '' کے مصداق ہوں گے۔ کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے اگر صحیح ہے تو اس کی رو سے مسلمانان ہند پر ہجرت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب : زید کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ جو اہل اسلام کفار کی حکومت میں رہتے ہیں وہ دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہیں اگر سیاسی محکموں میں مراتب حاصل کریں (اور عہدے قبول کریں) تو من **لم یحکم** کی وعید میں داخل ہوں گے ورنہ دنیا کے واسطے عضو معطل سے بڑھ کر بے کار ثابت ہوں گے۔ لہٰذا ان پر ہجرت فرض ہے۔

ہمارے نزدیک زید کا یہ خیال غلط ہے اول شق میں یہ تسلیم نہیں کہ سرکاری تمام ملازمتوں میں حکم خلاف ما انزل اللہ ضروری ہو، بلکہ بہت سے ایسے محکمے ہیں کہ جن میں حکم ہی نہیں۔ (یا شریعت کے مطابق اور جائز حکم ہو)۔

نیز دوسری شق بھی غیر مسلم اور غلط خیال ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مراتب (یعنی عہدے) حاصل نہ کرنے کی صورت میں عضو معطل اور بیکار ہونے سے اگر دنیاوی اعتبار سے مراد ہے تو ظاہر ہے کہ غلط ہے کیونکہ تجارت، زراعت، حرفت اور دنیاوی کاروبار کر سکتے ہیں، اور اگر دینی اعتبار سے مراد ہے تو غلط ہونا بہت ہی زیادہ روشن ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس کے علاوہ ہجرت کر کے جس جگہ جائیں گے وہاں بھی انہیں دونوں مصیبتوں کا سامنا ہوگا کیونکہ اس وقت کوئی سلطنت علی منہاج النبوۃ نہیں۔ تو وہاں سے بھی ہجرت فرض ہوگی تو سوا اس کے کہ دنیا سے ہجرت فرمائیں کوئی چارہ نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ زید کا یہ خیال غلط اور بے اصل ہے۔

جب حکومت کی طرف سے شرائع متعلقہ کے (یعنی مذہب پر) ادا کرنے کی اس طرف سے آزادی ہے اور کچھ روک ٹوک نہیں تو ہجرت واجب نہیں خواہ سیاسی محکموں میں جائز عہدہ حاصل کریں یا نہ کریں۔ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی عزت سیاسی عہدوں کے اصول کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ ان کی عزت شریعت کی پوری اتباع اور باہمی اتحاد و اتفاق کے ساتھ متعلق و مربوط ہے۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ الجواب صحیح عبدالوحید عفی عنہ
الجواب صحیح محمد یحییٰ عفی عنہ الجواب صحیح عبداللطیف عفی عنہ

(بیاض اشرفی ص ۶۲)

کافر حکومت کی ماتحتی میں رہنے کی ممانعت پر ایک غلط استدلال اور اس کا جواب

ایک صاحب نے اس مضمون کو کہ کافر کی حکومت مسلمانوں پر جائز نہیں آیت ’’وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا‘‘ سے استنباط کیا ہے کہ جب ایک مسلمان عورت کا کافر کی ماتحتی میں رہنا جائز نہیں تو بہت سے مسلمانوں کا کسی کافر کی ماتحتی میں رہنا کیسے جائز ہوگا، لیکن اس مضمون کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ دوسری دلیلوں سے ثابت ہے۔ اور اگر اسی دلالت کی بنا پر یہ کہا جائے کہ دوسری آیت میں ’’وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا‘‘ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرک عورتوں کا مسلمان کے تحت میں رہنا جائز نہیں، تو جب ایک مشرکہ کا مسلمان کے تحت میں رہنا جائز نہیں تو بہت سے مشرکین کا مسلمانوں کی رعایا بن کر رہنا بھی جائز نہ ہوگا۔ تو اس کا کیا جواب دیں گے؟ یہ حال ہے ان استنباطوں کا۔

بعض لوگوں نے قرآن شریف کی آیتوں سے نئی سیاست کو مستنبط کرنا شروع کردیا ہے یہ ایک قسم کی تحریف ہے[1]

دارالکفر سے ہجرت کرنے کا شرعی حکم

سوال : مخدومنا ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ماتحت بڑے بڑے اکابر اور بزرگان دین گذرے ہیں اور اب بھی ہیں جو چشمہ فیض اور قابل اقتداء ہیں لیکن ایک طرف شیخ اکبر بھی بڑے بزرگ ہیں جو فتوحات مکیہ۴٦٠/۴ باب الوصایا میں وصیۃ فرماتے ہیں کہ: ’’**وعلیک بالهجرة ولا تقم بین اظهر الکفار فان فی ذلک**

---

[1] الفصل للوصل ص۱۸۳، مطبوعہ تھانہ بھون۔

اهانة دين الاسلام …… واياک والمدخول تحت ذمة کافر ما استطعت واعلم أن المقيم بين اظهر الکفار مع تمسکنه من الخروج من بين ظهرانيهم لا حظ له في الاسلام فان النبي صلى الله عليه وسلم قد تبرأ منه وقال أنا برى من مسلم يقيم بين اظهر المشرکين فما اعتبر له کلمة الاسلام“.

> **ترجمہ**: تم پر ہجرت کر جانا لازم ہے اور کفار کے درمیان نہ رہو کیونکہ اس میں دین اسلامی کی اہانت ہے اور کسی کافر کی ماتحتی میں رہنے سے اپنے کو بچاؤ، اور یقین کرلو کہ کفار کے درمیان رہنے والا شخص جو کہ باوجودیکہ ہجرت کرنے پر قادر ہو ایسے شخص کے لیے اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے براءت ظاہر فرمائی ہے اور فرمایا آپ نے کہ میں ایسے مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے ایسے شخص کے کلمۂ اسلام کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

اس وصیت نامہ میں ”**لا حظ له في الاسلام** “اور حدیث شریف ”**انا برئ من مسلم** “اور لفظ ”**فما اعتبر له کلمة الاسلام** “وغیرہا کو دیکھ کر دل میں سخت خلجان ہے براہ مہربانی مطابقت کی تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: کسی غیر مجتہد کا قول دوسرے پر حجت نہیں ہوسکتا اور نصوص اس دعویٰ میں بعض قطعی الثبوت نہیں اور بعض قطعی الدلالۃ نہیں اس لیے دوسروں کا (یعنی ہجرت نہ کرنے والے بزرگان دین کا) قول یا فعل، نص کے بھی خلاف نہیں۔

اور اگر اس حکم میں اطلاق ہوتا تو حضرات صحابہ کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت نہ دی جاتی جہاں کے حاکم کا مذہب عیسائی تھا۔

دوسرا جواب: یہ کہ اس وقت اسلام کے لیے مثل اقرار کے (یعنی کلمہ طیبہ کی

طرح اقرار کرنے کے) قدرت وتمکن کی شرط کے ساتھ ہجرت بھی فرض اور اسلام کی قبولیت اور اسلامی احکام کے جاری ہونے کا مدار تھی جیسا کہ اب یہی حالت اقرار (شہادتین) کی ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں تیسیر سے اس کی فرضیت کی تصریح کی ہے پس جو منافقین مدینہ میں رہتے تھے جو کہ دارالاسلام تھا۔ وہ ظاہراً اس فرض کے عامل تھے اسی لیے ان سے تعرض نہ ہوتا تھا بخلاف ہجرت نہ کرنے والوں کے کہ ان کا حکم عام کفار کا سا تھا[1]

روح المعانی میں ہجرت کی فرضیت کا منسوخ ہونا نقل کیا ہے البتہ مستحب اب بھی ہے[2]

ہجرت کرنے کا حکم

ایک جامع مختصر تقریر لکھی جاتی ہے جس کا ماخذ روایات وقواعد اور اقوال علماء و اشارات نصوص ہیں ان دلائل کے مجموعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ:

> ”ابتدائے اسلام میں ہجرت فرض تھی اور فرضیت کے ساتھ وہ ظاہراً لازمی شعار اور ثبوت اسلام کے لیے موقوف علیہ بھی تھی لیکن حالت عذر میں اس کی فرضیت اور شعاریت ساقط ہو جاتی تھی، جیسا کہ تلفظ بالشہادتین (یعنی کلمہ طیبہ) کی اب بھی یہی شان ہے اور عہد نبوی میں صحابہ کے اقوال سے نماز کی یہی شان معلوم ہوتی ہے اور اس شعار ہونے کی وجہ سے اس سے بلا عذر رجوع کرنا ارتداد کی علامت تھا۔
>
> **والمشروعية انما يكون اذا كان في الأرض محل يهاجر إليه** (یعنی ہجرت کی مشروعیت اس وقت ہے جب کہ زمین میں

---

[1] البدائع بدیعہ ۱۹/۷ [2] بیان القرآن ص ۱۴۲، نساء۔

ایسی جگہ پائی جاتی ہو کہ جہاں ہجرت کرنا ممکن ہو)''۔

فائدہ: روح المعانی میں ہجرت کی فرضیت کا منسوخ ہونا نقل کیا ہے البتہ مستحب اب بھی ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اعرابی کو جس نے ہجرت کی اجازت چاہی تھی یہ فرمانے سے ''ان شان الهجرة لشديد'' (کہ بے شک ہجرت کا معاملہ بڑا سخت ہوتا ہے) وطن میں رہنے کے لیے ارشاد فرمانے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس کے ہجرت کے ارادہ کرنے سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارالاسلام میں نہ تھا[1]

مشروع ہجرت

۱- عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت منہدم کر دیتی ہے (یعنی ختم کر دیتی ہے) ان گناہوں کو جو اس سے پہلے ہو چکے ہوں، روایت کیا اس کو مسلم نے۔

۲- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے ہی دنوں میں ایسی حالت ہوگی کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں گی۔ جن کے پیچھے پیچھے پھرتا ہو پہاڑوں کی چوٹیوں پر، اور بارش کے موقعوں پر اپنے دین کو لیے ہوئے فتنوں سے بھاگا پھرتا ہو۔ روایت کیا اس کی بخاری نے۔

فائدہ: اگر کسی شہر میں یا کسی مجمع میں دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو وہاں سے بشرط قدرت علیحدگی واجب ہے۔ البتہ اگر یہ شخص عالم، مقتدا ہے اور لوگوں کو اس سے دینی حاجات واقع ہوتی ہوں تو ان میں رہ کر صبر کرے اور اگر کوئی اس کو پوچھتا ہی نہ ہو، نہ ان کی اصلاح کی امید ہو تو بھی بہتر ہے کہ ان سے علیحدہ ہو جائے[2]

---

[1] بیان القرآن سورہ نساء آیت وَمَنْ يُّهَاجِرُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰه الخ ص ۱۵۰۔ [2] فروع الایمان ص ۶۴۔

باب ۲

مذہبی امور میں حکومت کو دخل دینے کا حق نہیں

فرمایا کہ وقف بھی چونکہ ایک مذہبی رکن ہے اس لیے گورنمنٹ کی مداخلت اس میں جائز نہیں، جیسا کہ نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ میں مداخلت جائز نہیں۔ اسی طرح نکاح وطلاق میں بھی یہی حکم ہے۔

اگر شبہ ہو کہ شوہر تین طلاق دے کر پھر رکھنا چاہتا ہے تو مطلقہ کا استخلاص (یعنی چھٹکارا) کفار کی عدالت سے تو شرعا جائز ہے (تو یہ مداخلت کیسے گوارہ کر لی گئی؟) تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ گورنمنٹ سے طلاق واقع ہونے میں امداد نہیں ملتی بلکہ طلاق کا جو اثر ہوتا ہے اس میں امداد چاہتی ہے یعنی طلاق کے بعد جو اس کو آزادی ہونی چاہیئے اس میں امداد چاہتی ہے اور طرح اپنے کو نقصان سے بچانا چاہتی ہے۔

پھر اگر شبہ ہو کہ وقف میں بھی متولی بڑي گڑبڑی کرتے ہیں اور وقف کے مال کو کھا ڈالتے ہیں اور محتاج ومسکین محروم رہ جاتے ہیں اس طرح مساکین کا نقصان ہوتا ہے (تو یہاں وقف کے معاملہ میں نقصان سے بچنے کے لیے حکومت کا دخیل بننا صحیح ہونا چاہیئے؟)۔

لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ یہ صورت عدم النفع (یعنی نفع نہ ہونے) کی نہ کہ ضرر کی۔ اس لیے وقف کو مطلقہ کے خلاصی حاصل کرنے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ متولیوں کی گڑبڑی سے مسکینوں کا ضرر نہیں، ہاں عدم النفع ضرور ہے (دونوں میں بڑا فرق ہے)۔

مثلاً کسی کی جیب سے سو روپیہ کا نوٹ نکال کر لے لے یہ تو اس کا ضرر (نقصان) ہے اور اگر کوئی شخص اس کو سو روپیہ کا نوٹ دینے والا تھا مگر دیا نہیں، یا کسی نے دینے نہیں دیا تو یہ جس کو دینے والا تھا اس کا ضرر (نقصان) نہیں ہوا، بلکہ عدم نفع کی صورت ہوئی (یعنی نفع نہ ہونے کی صورت ہوئی) پس ضرر اور ہے اور عدم نفع اور ہے[1]

مذہبی امور میں حکام کا جبراً دست اندازی کرنا اور محکوم مسلمانوں کا اس پر راضی ہو جانا

سوال (۷۹۷): گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں رفاہ عام کے لیے ایک شفاخانہ بنانا چاہتی ہے اس آراضی میں بعض منہدم مساجد بھی ہیں، گورنمنٹ ان کو اپنے خرچ سے بنانے کا وعدہ کرتی ہے مگر عام لوگوں کو وہاں اجازت دینا مشکل ہے۔ البتہ شفاخانہ کے مریضوں اور ملازموں کو ہر وقت اجازت ہے اور ایک مسجد کو بنانے سے کسی وجہ سے عذر کرتی ہے مگر اس کے تحفظ کے لیے احاطہ اس کا بھی بنا دینے کو کہتی ہے سوال یہ ہے کہ اس صورت کو اگر مسلمان منظور کرلیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک اصلی، دوسرے عارضی یعنی احکام کبھی شئ کی ذات پر نظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پر نظر کر کے اور ان دونوں قسم کے احکام باہم مختلف بھی ہو جاتے ہیں۔

صورت مسئلہ میں حکم اصلی یہی تھا کہ مسجد ہر طرح آزاد ہے ان میں کسی وقت کسی کو نہ نماز پڑھنے کی ممانعت کی جائے نہ آنے جانے سے ''**الا لمصلحة المساجد**'' اور یہ حکم اس وقت ہے جب مسلمان بغیر کسی شورش (یعنی مسلمانوں کے خطرہ اور ضرر

---

[1] ملفوظات اشرفیہ ص ۱۱۷۔

لاحق ہوئے بغیر) اس پر قادر ہوں۔

اور حکم عارضی یہ ہے کہ جس صورت پر صلح کی جاتی ہے اس پر رضا مند ہو جائیں اور یہ حکم اس حالت میں ہے جب مسلمان حکم اصلی پر قادر نہ ہوں۔

اس کی نظیر مسجد الحرام ہے جب تک اس پر مشرکین مسلط رہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز بھی پڑھتے رہے، بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے۔ اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے اور مشرکین نے نہیں آنے دیا پھر اس پر صلح ہوئی کہ تین روز کے لیے تشریف لائیں اور عمرہ کر کے چلے جائیں آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور وقت محدود تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے۔

یہ سب اس وقت ہوا جب تسلط (یعنی آپ کا غلبہ واقتدار) نہ تھا عذر کی حالت میں آپ نے اس حکم عارضی پر عمل فرمایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقاعدہ مسلط فرمادیا، اس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا۔ یہ تفصیل ہے اس صلح کے منظور کر لینے میں[۱]

اگر حکام کی طرف سے ناگوار بات پیش آئے یا وہ ظلم زیادتی کریں

اگر حکام کی جانب سے کوئی امر طبیعت کے خلاف پیش آئے تو صبر کرے شکایت اور بد دعا نہ کرے۔ البتہ اس کی نرم مزاجی کے لیے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اہتمام کرے تا کہ اللہ تعالیٰ حاکموں کے دل کو نرم کر دے ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے۔ (حقوق الاسلام ص ۱۰)

---

[۱] امدادالفتاوی ۲/ ۶۹۲، سوال ۷۹۷، بوادر النوادر ۲/ ۷۷۱، امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۴۶، ملفوظات اشرفیہ ص ۳۹۹۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بادشاہوں کا مالک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان بادشاہوں کے دلوں کو ان پر رحم اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان بادشاہوں کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں۔ پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں۔[1]

(اس سے معلوم ہوا کہ) اگر حکام ظلم کرنے لگیں تو ان کو برا مت کہو۔ سمجھ جاؤ کہ ہم سے حقیقی حاکم (یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے یہ اس کی سزا ہے اپنی حالت درست کرلو، اللہ تعالیٰ حاکموں کے قلوب کو نرم کردیں گے)۔[2]

اگر حکام ہی کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔

اور اگر کہیں ظالم لوگ چھوڑ دینے پر نہ مانیں اور جان ہی لینے پر آمادہ ہوں تو مسلمانوں کو مقابلہ پر مضبوط ہوجانا ہر حال میں فرض ہے گو کمزور ہی ہوں۔ خلاصہ یہ کہ حتی الامکان فتنہ وفساد کو امن کے ساتھ دفع کریں اور جو کوئی اس پر بھی سر ہوجائے (یعنی باز نہ آئے) تو پھر مرتا کیا نہ کرتا: ”**وھذا من باب القتال حیث تفرض عینا اذا ھجم العدو لا من باب الاکراہ**“۔[3]

---

[1] حیاۃ المسلمین ص ۲۰۴۔

[2] تعلیم الدین ص ۱۴۱۔

[3] حیاۃ المسلمین ص ۱۷۹۔

مظالم کے وقت بھی حکومت سے مقابلہ کرنا ہمارا کام نہیں

بعض لوگ علانیہ طور پر خردہ گیری اور اسکے خلاف خفیہ تدبیریں اور سازش کرتے ہیں اس خردہ گیری کے جو نتائج ہیں ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو ہر طرح حکومت کے دائرہ میں مقید ہو کسی طرح ان نتائج کا متحمل نہیں ہوسکتا تو پھر اس پر اقدام کرنا حدیث ذیل کی صریح مخالفت کرنا ہے:

> قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ قیل یا رسول اللہ و کیف یذل علی نفسہ قال یتحمل من البلاء مالا یطیقہ۔ (رواہ الترمذی)
>
> ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو زیبا نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! اپنے کو کس طرح ذلیل کرے گا فرمایا ایسی بلا کو اپنے اوپر لادے جس کے برداشت کی اس کو طاقت نہ ہو۔

اور ایسی حالت میں سازش کرنا کہ حکومت کے ساتھ معاہدہ بھی قائم ہے سراسر غدر (دھوکہ) اور بدعہدی ہے جس کا حرام ہونا شریعت محمدیہ میں صریح ہے۔

اسلامی تعلیم تو یہاں تک ہے کہ اگر حکومت کی جانب سے کوئی تکلیف بھی پہنچے تب بھی حکام کے لیے بد دعا میں مشغول ہونے تک کی اجازت نہیں۔ چنانچہ مشکوۃ شریف کی ''کتاب الامارۃ'' کی یہ آخری حدیث ہے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں تمام بادشاہوں کا مالک ہوں، اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں، اور بے شک بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے

> بادشاہوں کے دلوں کو مہربانی اور شفقت کے ساتھ ان پر پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان کے دلوں کو ناخوش اور انتقام کے ساتھ پھیر دیتا ہوں پس وہ ان کو سخت تکلیف پہنچاتے ہیں سو تم اپنے کو بادشاہوں کے لیے بددعا کرنے میں مت لگاؤ البتہ اپنے کو ذکر اللہ اور نیاز مندی میں لگاؤ، تاکہ میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں۔ روایت کیا اس کو ابو نعیم نے کتاب الحلیۃ میں'' [1]

پس اسلامی تعلیم کا خلاصہ ایسی حالت کے متعلق یہ ہوا کہ ان کلفتوں اور مصیبتوں کا سبب اپنے اعمال بد کو سمجھ کر دعا و استغفار اور ذکر اللہ اور اصلاح اعمال اور اللہ کی طاعت میں مشغول ہوں اور کوئی امر قوم یا ملک یا ملوک (حکام) کے ساتھ خلاف شرع نہ کریں [2]

عزت وعصمت کی حفاظت کے لیے اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا

سوال: ایک عورت ریل گاڑی میں سفر کر رہی تھی شام کا وقت تھا یہ تنہا تھی، گاڑی میں ایک لمبا تڑنگا مرد چڑھ آیا اور ان کو دھمکانا شروع کیا خدا تعالیٰ نے ان کو بھی ہمت دی انہوں نے بھی اس کو ڈانٹا اور زنجیر کھینچ لی، گاڑی ٹھہر گئی اور وہ شخص کود کر بھاگ گیا۔ اس عورت نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر گاڑی نہ ٹھہری تو میں گاڑی سے کود جاؤں گی، تو سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو کیا یہ خودکشی ہوتی؟

الجواب: عفیف (پاکدامن) عورتوں کو ایسے وقت میں حیا وعفت کا اکثر اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وقوع ہلاکت کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسی حرکت بطریق اضطرار کے ہوتی ہے نیز ہلاکت یقینی بھی نہیں ہوتی بہت سے لوگ اس طرح کود

---

[1] مشکوۃ کتاب الامارۃ۔ [2] زوال السنۃ عن اعمال السنۃ ص ۶۲، نصح الاخوان۔

کر بچ بھی گئے ہیں۔ البتہ چوٹ ضرور لگی ہے سوایسے غلبہ کے وقت حق تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ معذور ہوں گی، اس لیے اس کو خود کشی نہ کہا جائے گا۔

وقـربيـاً فـى هـذا اجاب استاذي مولانا محمد يعقوب حين سئل عن النسوة الـلاتـى الـقيـن انفسهن فى البير حين خفن على عفتهن في الزمان المعروف بالغدر، لكن اذا فات الشرط فات المشروط[1]

---

[1] حکیم الامت نقوش وتاثرات۔

باب ۳

قربانی اور گوشت خوری پر پابندی اور مسلمانوں کے لیے شرعی ہدایت

بعض لوگ قربانی پر اور خاص کر گائے کی قربانی پر مسلمانوں سے لڑائی کرتے ہیں اور کبھی عین قربانی کے وقت مسلمانوں پر چڑھ آتے ہیں اور قربانی جو کہ ان کا حق جائز بلکہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں جو سراسر ان کی زیادتی ہے۔

اور چونکہ حدیثوں میں خاص گائے کا حلال ہونا اور اس کی قربانی کی فضیلت اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا گائے کی قربانی فرمانا مذکور ہے۔ (مسلم شریف)

اس لیے مسلمان اس مذہبی دست درازی کو گوارہ نہیں کرتے اور اپنی جان تک دے دیتے ہیں جس میں وہ بالکل بے قصور ہیں۔ سو اس کے متعلق مسئلہ سمجھ لنا چاہئے کہ جس طرح ایسی مضبوطی کرنا (ہمت دکھلانا) جائز ہے اگر کہیں ایسی مضبوطی کرنا (جوانمردی دکھلانا) خلاف مصلحت ہو تو شریعت سے دوسری بات بھی جائز ہے وہ یہ کہ اس وقت صبر کریں اور قربانی نہ کریں فوراً حکام کو اطلاع کر کے ان سے مدد لیں، اگر قربانی کی مدت میں یعنی بارہ تاریخ تک اس کا کافی انتظام کر دیا جائے تو قربانی کر لیں، اور اگر اس کے بعد انتظام ہو تو اگلے سال قربانی کریں اور اس سال قربانی کے

حصہ کی قیمت محتاجوں کو دے دیں۔

اور اگر پہلے سے معلوم ہو جائے کہ جھگڑا ہوگا تو اس وقت وہ طریقہ اختیار کریں جو (پہلے) لکھا گیا جس کا مضمون یہ ہے کہ:

> ”اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش (ہنگامہ، فتنہ) ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کرو، خواہ وہ خود انتظام کر دیں خواہ تم کو انتظام کی اجازت دے دیں۔
>
> اور اگر حکام ہی کی طرف سے ناگوار واقعہ پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو، اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو، (کیونکہ حکومت سے مقابلہ کرنا حکومتوں کا کام ہے نہ کہ رعایا کا) اور اللہ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو“[1]

ہندوؤں کو خوش کرنے یا اتفاق کی وجہ سے گائے کی قربانی ترک کرنا

سوال: (۶۵۳): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوؤں کو خوش کرنے اور اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے گائے کی قربانی یا روزمرہ کے لیے گائے کا ذبح بند کر دینا کیسا ہے؟ ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرماتے ہوئے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: محض ہندوؤں سے اتفاق پیدا کرنے اور ان کو خوش کرنے کے لیے گائے کی قربانی کو موقوف کر دینا اور ہمیشہ کے لیے گائے کی قربانی کا گوشت چھوڑ

---

[1] حیوۃ المسلمین، روح ۱۸/۱۷۹.

دینا درست نہیں۔ اس لیے کہ گائے کا ذبح کرنا شعائر اسلام سے ہے اور گائے کا ذبح نہ کرنا اور اس کے گوشت سے مذہبی حیثیت سے نفرت کرنا شعائر کفر سے ہے۔ اسلامی شعائر کو چھوڑ کر کفر کے شعائر کو اختیار کرنا، اور اس خیال سے خود ذبح کو چھوڑ دینا اور کسی کو ترغیب نہ دینا بلکہ ترک کی رغبت دلانا کہ مخالفین اسلام خوش رہیں، یہ مداراۃ ناجائز اور مداہنۃ فی الدین ہے، ہماری شریعت مطہرہ نے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

''یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ'' میں تصریح ہے کہ اللہ ورسول کو ناراض کر کے جب مسلمانوں کو راضی کرنا بھی موجب عقاب وعتاب ہے تو اللہ ورسول کو ناراض کر کے کافروں کو راضی کرنا تو کس طرح موجب عتاب نہ ہوگا اس امر کو معمولی نہ سمجھیں[1]

دوسرے مذہب کی رعایت میں گوشت خوری ترک کرنا شریعت کی روشنی میں

فرمایا گوشت خوری وغیرہ میں بعض مسلمان کچھ کلام کرنے لگتے ہیں کہ یہ واجب یا شعائر اسلام میں سے تو ہے نہیں (پھر اس پر اتنا اصرار کیوں؟) مگر اس رائے کا مذموم ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اونٹ کا گوشت ترک کرنا چاہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ کَافَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔

---

[1] امداد الفتاوی ۳/۵۹۵-۵۷۶۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو پہلے یہود تھے اور اس مذہب میں اونٹ کا گوشت حرام تھا ان صاحبوں کو اسلام کے بعد یہ خیال ہوا کہ شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں سو اگر ہم بدستور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کر دیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہو اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی اصلاح اہتمام سے فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی (مکر اور) لغزش ہے[۱]

اور اس مکر شدید کی جڑ تھی ملت منسوخہ کی رعایت، پس مکر کا حاصل یہ ہوا کہ جب وہ ملت اسلامیہ کے معارض ہے اور اس گوشت کو اسلام نے قبیح نہیں قرار دیا پھر ایسا کیوں کیا جاتا ہے (کہ دوسرے مذہب کی رعایت و اتباع میں گوشت چھوڑ دیا جائے) اسی کو اتباع شیطان فرمایا۔ پھر بھی اگر کسی کی رائے ہو کہ گاؤ کشی چھوڑ دیں تو چونکہ اس رائے کی بنیاد ملت کفریہ کی رعایت ہے یہ اس سے بھی اشد (سنگین) ہوگا۔

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ تو گویا جائز کو واجب قرار دے دیا۔

میں نے کہا کہ خصوصیت کے اعتبار سے گو فی نفسہ یہ واجب نہیں لیکن ملت کفریہ کی رعایت کے مقابلہ میں بے شک اہل اسلام کا شعار ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھانے سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے سے شدید تعلق معلوم ہوتا ہے۔

من صل صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا. (الحدیث)[۲]

---

[۱] بیان القرآن ۱/۱۱۷۔ [۲] حسن العزیز ۲/۳۹۶۔

مزید تحقیق وتفصیل

بعض مسلمان ہندوؤں کے میل جول کی وجہ سے گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اسلام کچھ گوشت خوری پر موقوف نہیں، اسلام میں گوشت کھانا اور نہ کھانا دونوں یکساں ہیں گائے کا گوشت نہ کھا کر بکری کا کھالیا تو اس میں کیا حرج ہے گائے کا گوشت کھانا فرض تھوڑی ہے۔

افسوس ان لوگوں نے شریعت خداوندی کے مقابلہ میں اپنی ایک شریعت گھڑ لی ہے ان لوگوں نے یہ مسئلہ ہندوؤں سے لیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ گائے ہندوؤں کا معبود ہے اس کا ذبح کرنا اس لیے ان کو ناگوار ہے پھر ان مسلمانوں کو شرم نہیں آتی جس غرض کا منشاء شرک ہو اس میں وہ ہندوں کی موافقت وحمایت کرتے ہیں[1]

جو چیز عام طور پر اسلام وکفر میں امتیاز پیدا کرنے والی ہو وہی شعار اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کو ہندوؤں سے امتیاز گائے کے ذبح اور اس کا گوشت کھانے ہی سے ہوتا ہے اور اس وقت تجربہ نے بتلادیا کہ جو لوگ اس شعار اسلام کے تارک تھے زیادہ تر وہی فتنہ ارتداد کے دام میں مبتلا ہوئے۔ اور جو اس شعار کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی طرف کوئی رخ بھی نہیں کرتا تو علاوہ شعار اسلام ہونے کے یہ بڑا پہرہ دار بھی ہے[2]

غلط فہمی کا ازالہ

از روئے شرع گائے کی قربانی سے روکنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ بعض بھولے

---

[1] سنت ابراہیم ۳۲/۱۷۔ [2] محاسن اسلام ۲۶۷/۱۲۔

لوگوں کو اس میں غلطی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ قربانی واجب ہے خواہ بکری کی ہو یا گائے کی۔ پھر کیا ضرورت ہے آپس میں اختلاف پیدا کرنے کی، گائے کی قربانی چھوڑ دیں۔ بکری کی کیا کریں۔ بظاہر تو یہ رائے بہت مناسب ہے، لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بالکل لچر (اور ضعیف بات ہے)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ گائے کی قربانی ترک کرنا دوسری قوم کے نزدیک مذہبی امر پر مبنی ہے یا ملکی مصالح پر۔ تو واقع میں ان کے یہاں یہ مذہب کا جزء ہے، پس اس وقت ہمارا ترک کرنا کفر کی رعایت کرنا ہے اس لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ گاؤ کشی کے متعلق اخباروں میں اپنی رائے لکھ کر ہم سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ ہم بھی اخباروں میں اس کے متعلق اپنی رائے لکھیں مگر ہمارے نزدیک اخباروں میں آج کل ایسا مضمون لکھنا حکام کو اپنی طرف سے بدگمان کرنا ہے کیونکہ نامہ نگاروں کو حکام عموماً مفسد سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم کسی کو بدگمان نہیں کرنا چاہتے۔

ہمارے اصول میں ہے ''اتقُوا مَوَاضِعَ التهم'' تہمت کے مواقع سے بچو۔

نیز اخبار میں مضمون لکھ کر اس مضمون کو بے قدر کرنا ہے۔ اس مضمون کی عام مسلمانوں اور دینداروں کی نظروں میں کچھ وقعت نہیں ہوتی اس لیے ہم کو اخبار میں مضمون لکھنا پسند نہیں، اور یہ بھی پسند نہیں کہ ہندوؤں کو چڑا چڑا کر گاؤ کشی کریں کہ اس میں دلآزاری اور بلا ضرورت فتنہ ہے جیسے پہلے سے کرتے ہو، اسی طرح کرتے رہو[1]

---

[1] الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم ص ۱۶۰۔

نابالغ اور نشہ کی حالت میں جو قرآن کی بے حرمتی کرے وہ بھی سزا اور تعزیر کا مستحق ہے

سوال (٦٦٠) ہولی ہندوؤں کی عید کا دن ہے وہ اس دن کھیل کود کرتے ہیں ہندوؤں کے محلّہ میں ایک مسجد ہے جس میں کھڑکی میں قرآن شریف رکھا تھا جسے ہندوؤں کے بچوں نے وہاں سے اٹھا کر باہر لا کر آگ میں جلا دیا۔ جلے ہوئے اوراق مسلمانوں کے ہاتھ آئے، انہوں نے افسوس کے ساتھ مقدمہ دائر کر دیا جو چل رہا ہے۔ ہندوؤں اور ان کے وکیلوں نے مسلمانوں سے کہا کہ مقدمہ اٹھالو، تمہارا مذہب اس بارے میں جو فیصلہ کرے گا ہم سب کو قبول ہوگا۔ مسلمانوں نے بندہ کو طلب کر کے شرعی حکم مانگا۔ میں نے کہا کہ میں اس مسئلہ سے ناواقف ہوں علماء مفتیان کرام کو لکھ رہا ہوں جو فتویٰ آئے گا اسے پیش کر دوں گا۔ فتوی آنے تک انہوں نے سرکار سے مہلت لے لی ہے۔ معاملہ چوں کہ نہایت اہم ہے اس لیے جواب میں حوالہ کتب ضرور تحریر فرمائیں۔

تا کہ اطراف کے علماء اگر حوالہ طلب کریں تو ان کو حوالہ دکھلایا جا سکے، نیز فریقین کے انصاف پسند حضرات اور وکلاء بغیر حوالے کے مشکل سے قبول کریں گے۔

نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ اگر بالفرض بے حرمتی بجائے بچوں کے بڑوں سے ظاہر ہو تو کیا حکم ہوگا اور ہوش یا بے ہوش کی حالت میں ہو تو کیا حکم ہے۔

الجواب: ۱- (صورت مسئلہ میں) دریافت کردہ فعل میں ”تعزیر“ (یعنی سزا) واجب ہے۔

۲- اور شرعاً تعزیر کی مقدار معین نہیں ہے بلکہ حاکم کی صواب دید پر موقوف ہے۔

۳- اور حاکم کے لیے ضروری ہے کہ جرم کے درجہ اور مجرم کی حالت پر نظر

کرے، دونوں باتوں پر اچھی طرح غور وخوض کر کے ایسی سزا تجویز کرے جس سے تعزیر کا مقصد حاصل ہو، یعنی اس قسم کے جرائم سے رکاوٹ (وبندش) ہو۔ ناظرین کو عبرت وسبق ملے، اور شعائر اسلامی کے احترام وتقدس کی حفاظت ہو۔

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ واقعہ تو ہولناک اور انتہائی اضطراب انگیز ہے۔ اگر کافی سزا تجویز نہ کی جائے گی تو شعائر اسلام کی بے وقعتی کا سبب اور مسلمانوں کے دل ٹوٹنے کا باعث نیز اہل اسلام کے غضب کو جوش میں لانے والا، اس کے علاوہ مستقبل میں سنگین مفاسد اور برے فتنوں کو جنم دینے والا ہوگا۔ اور نابالغ ہونا مانع تعزیر نہیں اور نشہ میں ہونا بھی تعزیر سے مانع نہیں ہے[1]

مکتوب گرامی

اس کے ساتھ مندرجہ ذیل خط بھی روانہ فرمایا السلام علیکم

قرائن سے دل میں یوں آتا ہے کہ ہندوؤں کے وکیلوں نے کتابوں کے مطالعہ سے یقین کرلیا ہے کہ اس جرم میں قانونی سزا کے مقابلہ میں شرعی سزا زیادہ ہلکی پھلکی ہے اسی وجہ سے وہ شرعی سزا پر راضی ہوتے ہیں اور شرعی سزا حاکم پر موقوف ہے، اور حاکم کا حال معلوم ہے لہٰذا اندیشہ ہے کہ ہلکی (معمولی) سزا ہی تجویز کردے جس سے جرائم کی بندش کا مقصد بھی حاصل نہ ہو۔ (جو تعزیر کا اصل مقصد ہے) اس لیے احقر کی رائے یہ ہے کہ عقلاء بھی اتفاق کرلیں تو بھی اس قسم کی درخواست کو قبول نہ کریں۔ (کہ شرعی سزا پر ہی اصرار کریں بلکہ گورنمنٹ کی قانونی سزا کو قبول کرلیں)۔

اور یہ حکم شرعی کا رد کرنا نہیں ہے بلکہ چونکہ بصورت دیگر اس قسم کے جرائم کی بندش کی مصلحت حاصل ہونے کی امید نہیں ہے، لہٰذا یہ امر غیر شرعی کا رد کرنا ہے اور

---

[1] امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۸، دلائل کے لیے اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

سرکاری حاکموں سے قانونی سزا کے اجراء کی درخواست کریں کہ یہ مذکورہ نبدش پر مرتب ہونے کے سبب شرعی سزا ہی پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم [1]

کفار ومشرکین کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی شان میں سخت گستاخیاں اور قرآن وحدیث کی تعلیم

کفار کی گستاخیوں پر مسلمانوں کو بے حد غیظ وغصہ آتا تھا وہ نامعقول یہ حرکت کرتے تھے کہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کا نام لے لے کر عشق کا اظہار کرتے تھے، اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہوگی، اور اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بھی گستاخی کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذمم کہتے تھے (نعوذ باللہ) کیوں کہ جس طرح محمد کے معنیٰ ’’بہت زیادہ قابل تعریف اچھے اخلاق والا‘‘ کے ہیں اسی طرح مذمم کے معنی اس کے مقابلہ میں ہیں، (یعنی بہت زیادہ برا قابل مذمت) خیال تو کیجئے کہ مسلمانوں کو کس قدر ناگوار ہوتا ہوگا کہ جان لینے اور جان دینے کو تیار ہو جاتے ہوں گے۔ مگر اتنی بڑی گستاخی اور ایسا سخت غصہ دلانے والی حرکت پر حق تعالیٰ کی تعلیم سنئے فرماتے ہیں:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (سورہ آل عمران پ:۴)

لتبلون الخ، یعنی جان ومال میں تمہاری آزمائشیں ہوں گی۔ ولتسمعنَّ اور مشرکین اور اہل کتاب سے اذیت (تکلیف) کی باتیں سنو گے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین نے یہی واقعہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کا نام لے لے کر

---

[1] امدادالفتاوی ۲/۵۵۸ سوال ۲۶۰۔

اظہار عشق کرتے تھے، اتنی بڑی غیظ وغضب کی بات سننے کے بعد فرماتے ہیں ’’اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ‘‘ الخ، کہ اگر تم صبر کرو اور بچو (یعنی جہالت کی باتوں سے) تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: وَقُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ میرے بندوں سے فرمادیجئے کہ وہ نرم بات کہا کریں۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَغُ بَیْنَهُم ۔شیطان درمیان میں جھڑپ کرانا چاہتا ہے جب جھڑپ اور لڑائی ہوگی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں طرف سے عداوت بڑھ جائے گی۔ (فتنہ وفساد ہوگا جانیں جائیں گی)۔

اب حدیث سنئے کہ سب سے بڑھ کر شرارت اور گستاخی کفار کی یہ تھی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مذمم سے بدل لیا تھا، اور مذمم کی سخت ہجو (برائی) کیا کرتے تھے، آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ایسے سخت الفاظ سن کر مسلمانوں کا کیا حال ہوتا ہوگا پھر مسلمان بھی ہمارے آپ کی طرح نہیں بلکہ اس وقت کے مسلمان، مگر قربان جائیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے ایسی سخت بات کو مسلمانوں کے دلوں سے کیسا ہلکا کیا ہے فرماتے ہیں: اُنْظُرُوْا کَیْفَ صَرَفَ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ یعنی دیکھو شتم قریش کو (یعنی قریش کے برا بھلے کہنے کو) خدا نے مجھ سے کیسے ہٹالیا۔ یَشْتَمُوْنَ مُذَمَّماً وَیَلْعَنُوْنَ مُذَمَّماَ وَاَنَا مُحَمَّد کہ وہ شتم ولعنت کرتے ہیں مذمم پر اور میں تو محمد ہوں۔ تو خدا نے مجھے گستاخی سے کیسے بچالیا، کیونکہ انہوں نے جو برائی کی وہ مذمم (یعنی برے آدمی کی برائی) کی۔ اور میں تو محمد ہوں اگرچہ مذمم سے ان کی مراد اور نیت تو ان کمبختوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی گستاخی کی تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے غیظ وغضب کو ہلکا کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ میاں یوں دل کو سمجھا لیا کرو کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام

مبارک ہے ہی نہیں۔

بہر حال وہ حق تعالیٰ کی تعلیم تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔

(اس سے معلوم ہوا کہ) یہ امور تو ایسے واجب الرعایت ہیں کہ اگر کسی جاہل سے بھی سابقہ پڑ جائے تو اس کے جواب میں بھی جہالت کی ممانعت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلاماً“۔ یعنی جاہلوں کی جہالت کا بھی جواب جہالت سے نہیں دیتے۔ یہاں جہالت کی بات کا جواب بھی قَالُوْا سَلَاماً ہے۔ (یعنی سلامتی کی بات کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں)۔[1]

غیر مسلم رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے بعد سچے دل سے معافی مانگیں تو مسلمانوں کو معاف کر دینا چاہیے

ایک مقام پر ایک گستاخ کافر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گستاخانہ حالات شائع کئے تھے، مسلمانوں کے مواخذہ پر اس نے علماء کی ایک باقاعدہ جمعیت سے معافی چاہی اور آئندہ احتیاط رکھنے کا اور فی الحال اپنی اس غلطی اور معافی کی درخواست کا اخباروں میں اعلان کر دینے کا وعدہ کیا اکثر مسلمانوں کی رائے اس کو منظور کر لینے کی ہو گئی اور بعض نے اختلاف کیا، اور حکومت موجودہ میں استغاثہ ہی کو ترجیح دی۔

اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ حق اللہ ہے اس کی معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے اس کے متعلق سوال آیا تھا جس کا جواب حسب ذیل لکھا گیا:

> ”معافی کی جو حقیقت صاحب شبہ نے سمجھی ہے اس معنی کر یعنی معافی کے بعد ناگواری نہ رہنا“۔

---

[1] الدعوت الی اللہ ص: ۱۷ و ۱۸۔

یہ معافی صورۃً معافی ہے اسی لیے بعض حضرات کو شبہ ہوگیا کہ حق اللہ کے معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں مگر حقیقت میں یہ معافی نہیں بلکہ صلح ہے اور صلح سے کوئی امر مانع نہیں، اور صلح جیسے بلا شرط ہوسکتی ہے اسی طرح شرط پر بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے یہاں یہ شرط مقرر کی جاتی ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے البتہ صلح میں یہ شرعاً قید ہے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مصلحت ہو، اور یہاں مصلحت ہونا ظاہر ہے کہ فی الحال اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت ہے اور فی المآل ایک منکر قبیح کفری (یعنی آئندہ کے لیے ایک کفریہ منکر) کی بندش ہے خود عہد کرنے والے سے بھی اور امید ہے کہ دوسرے لوگوں میں (بھی اس کا اثر ہوگا) کہ اس منکر کا نتیجہ دیکھ کر بعض لوگ عبرت پکڑیں گے اور بعض لوگ مسلمانوں کی رواداری سے متاثر ہوں گے۔

اور حکومت سے استغاثہ میں ان توقعات کا گمان بھی نہیں چنانچہ موجودہ فضا اس کی شاہد ہے پھر اگر خدانخواستہ استغاثہ میں کامیابی نہ ہوئی تو اس پر جو مفاسد مرتب ہوں گے ان کے انسداد (بندش) پر مسلمانوں کو کوئی کافی قدرت نہیں، ہمیشہ کے لیے ایسے لوگوں کی جراءت بڑھ جائے گی۔

بلکہ ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر کامیابی بھی ہوگئی تو ظاہر ہے کہ سزائے موت کا تو احتمال بھی نہیں قید یا جرمانہ ہوسکتا ہے، سو بہت سے مفسد (ظالم) ایسے ہیں کہ قید اور جرمانہ کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ ان کو ایک نظیر ہاتھ آجائے گی۔ (اور آئندہ بھی خطرہ ہوگا)۔

رہا یہ شبہ کہ معافی کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے عام مسلمانوں کو نہیں اور اس کی جو دلیل بیان کی گئی ہے کہ یہ حق اللہ ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ سلطان کو بھی یہ حق نہیں کیونکہ سلطان حقوق اللہ کو معاف نہیں کرسکتا[1]

---

[1] ملفوظات کمالات اشرفیہ ص ۴۰۱-۴۰۲۔

صلح واتفاق کے لیے شعائر اسلام کو ترک نہیں کیا جائے گا

صلح حدیبیہ کے قصہ سے استدلال کیا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوانا چاہا تو مشرکین نے اس کے لکھے جانے سے انکار کیا۔ آپ نے اپنی اس درخواست کو منظور فرما کر بسمک اللھم لکھوایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد رسول اللہ لکھوانا چاہا، تو انہوں نے محمد رسول اللہ لکھنے جانے سے بھی انکار کیا تو آپ نے محمد بن عبداللہ اس کی جگہ لکھوایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلح کے لیے شعائر اسلام کو بھی چھوڑنا درست ہے۔

میں اس کے متعلق ایک موٹی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ باریک بات تو علماء جانتے ہیں وہ یہ کہ دنیا جانتی ہے اور ہر شخص کو یہ بات معلوم ہے کہ جب دو قوموں سے صلح ہوتی ہے اور صلح نامہ لکھا جاتا ہے تو وہ صلح نامہ فریقین کی طرف سے منسوب ہوتا ہے اور اس صلح نامہ میں وہی مضمون لکھا جاتا ہے جو دونوں فریق کے مسلمات میں سے ہو (یعنی دونوں کو تسلیم ہو) اس میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جاتی جو فریقین کو تسلیم نہ ہو۔ جب یہ حقیقت ہے تو اب سنئے! کہ جس صلح نامہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھوانا چاہا تھا اس کے ساتھ صرف مسلمانوں ہی کا تعلق نہ تھا، بلکہ مشرکین مکہ بھی اس سے تعلق رکھتے تھے یعنی وہ (صلح نامہ) دونوں کی طرف منسوب تھا اور دونوں ہی کے اس پر دستخط ہوئے ہیں۔

اور جیسا کہ اس میں یہ بات قابل لحاظ تھی کہ اس میں کوئی بات مسلمانوں کے خیالات کے خلاف نہ ہو، اسی طرح یہ بات بھی قابل رعایت تھی کہ صلح نامہ کا ہر مضمون خصم کو بھی تسلیم ہو، اسی وجہ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھوانا چاہا تو مشرکین اور کفار مکہ نے صلح نامہ میں اس کا لکھا جانا منظور نہ کیا اور ان کا اس انکار کرنے سے مطلب یہ تھا کہ صلح نامہ جس طرح مسلمانوں کی طرف

منسوب ہوگا اسی طرح ہماری طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور جس طرح مسلمانوں کے اس پر دستخط ہوں گے اسی طرح ہم کو بھی دستخط کرنے ہوں گے، اس لیے صلح نامہ میں ایسے الفاظ نہ ہونا چاہئے، جس کے قبول کرنے سے ہم کو انکار ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ ہوتے ہوئے اس پر ہمارے دستخط کیسے ہوں گے، کفار مکہ کو فریق ہونے کی حیثیت سے صلح نامہ کے مضمون میں دخل دینے کا حق حاصل تھا اور بسمک اللّٰہم اور محمد بن عبداللہ کا لکھا جانا مسلمانوں کے کسی خیال کے خلاف نہ تھا، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو منظور فرمالیا اور وہی الفاظ و مضمون صلح نامہ میں درج کرائے جو دونوں فریق کے متفق علیہ تھے۔ اور جن الفاظ پر فریقین کو دستخط کر دینا آسان تھا۔

اب اس کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد بتلایئے کہ کیا اس سے یہ استدلال صحیح ہوسکتا ہے کہ صلح کے لیے مذہب کے اصول (شعائر اسلام) کو ترک کرنا درست ہے۔[1]

بلاضرورت شرعیہ غیر مسلموں اور ان کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو

وَلَا تَسُبُّو الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللہ عدواً بغَیْرِ عِلْمٍ۔ (انعام)

ترجمہ و تفسیر: اور دشنام (یعنی برا بھلا مت کہو اور گالیاں) مت دو ان معبودان باطلہ کو جن کی یہ مشرک لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ تمہارے ایسا کرنے سے پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر غصہ میں آ کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ (بیان القرآن ۱/۱۱۹)

فائدہ: بتوں کو برا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے، مگر جب وہ ذریعہ بن جاوے ایک امر حرام یعنی گستاخی بجناب باری تعالیٰ کا وہ بھی منہی عنہ اور قبیح (یعنی ناجائز)

---

[1] الافاضات الیومیہ ۱/۲۱-۲۲۔

ہو جائے گا۔

اس سے ایک قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جاوے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ دشنام بت (یعنی بتوں کو برا بھلا کہنا) امر مباح تھا واجب مطلوب عندالشرع نہ تھا، ایسے امر پر جب مفاسد مرتب ہوں گے اس کو ترک کرنا واجب ہوگا۔

(بیان القرآن ۱۹۹/۱)

قاعدہ: جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت ومقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہو (یعنی شرعاً وہ واجب نہ ہو کہ اس کا اظہار یا تبلیغ ضروری ہو) اور اس میں کوئی مفسدہ باحتمالِ قریب محتمل ہو، اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے (مثلاً آیت مذکورہ میں) سبِّ آلہ باطلہ (یعنی معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنا، ان کی مذمت کرنا) مباح تو ضرور ہی ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں کیونکہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہوسکتی ہے یعنی حکمت وموعظت و مجادلۃ حسنہ سے اور اس میں مفسدہ تھا سَبِّ مشرکین للالہ الحق کا (یعنی اس بات کا کہ حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے) اس لیے اس سے ممانعت فرمادی گئی[1]

ایک واقعہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ذرا بلند آواز سے قرآن پڑھتے تو مشرکین قرآن اور حق تعالیٰ اور جبرئیل علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے اس پر (حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم) نازل ہوا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا.

(بنی اسرائیل پ۱۵)

ترجمہ و تفسیر: اور اپنی جہری نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے کہ سن سن کر مشرکین خرافات بکیں اور قلب نماز میں مشوش ہو، اور نہ ہی بالکل چپکے پڑھئے کہ

---

[1] امدادالفتاوی ۸۲۶/۶ سوال: ۷۶۶۔

نمازیوں کو سنائی بھی نہ دے اور دونوں کے درمیان ایک متوسط طریقہ اختیار کر لیجئے کہ منفعت بھی فوت نہ ہو اور مضرت بھی مرتب نہ ہو۔[1]

کفار کی مذمت اور ان کی برائی کرنے کا شرعی حکم

کفار کی مذمت مطلقاً معیوب و مذموم نہیں اگر کسی صحیح غرض کے لیے ہو تو دفاع کے لیے جب قتال تک جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب وفرض ہے تو ہجو (یعنی ان کی برائی تحقیر کرنا) اس سے بہت ہلکی چیز ہے خصوصاً جب کہ اس کا مقصد اپنے ذاتی دشمنوں سے نہیں بلکہ دشمنان دین سے انتقام لینا ہو اور تجربہ سے اس حربہ کا موثر اور کارگر ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ہم کہیں گے تو اس سے زیادہ سنیں گے تو ان کی ہمت ٹوٹ جائے گی تو اس میں مسلمانوں کی حفاظت ہے اور شر و ایذاء سے اہل حق کی حفاظت اعظم اخلاق میں سے ہے......اس حکمت کی طرف خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ قریب بصراحت فرمایا ہے حیث قال:

''اھجوا قریشا فانه اشد علیها من شق النبل و قال صلی اللہ علیه وسلم ان روح القدس یویدک''۔[2]

غیر مسلم کافر کو بھی تکلیف پہنچانا اور غیبت کرنا جائز نہیں اور اگر کی ہے تو اس سے معافی مانگو

مسئله: صبی (بچہ) اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت حرام ہے کیونکہ اس کی ایذاء

---

[1] بیان القرآن سورہ نبی اسرائیل پ:۱۵ص:۱۰۶۔

[2] مسلم فضائل حسان، امداد الفتاویٰ ۴/۵۸۳، سوال ۵۹۸۔

(تکلیف پہنچانا) حرام ہے اور کافر حربی مباح الایذاء کی غیبت بعلت تضییع وقت کے مکروہ ہے۔

مسئلہ: (غیبت) میں حق اللہ وحق العبد دونوں ہیں اس لیے توبہ بھی واجب ہے اور معاف کرانا بھی ضروری ہے۔ اور بعد موت وارثوں سے معاف کرانا کافی نہیں، بلکہ غائب اور میت میں اپنے اور ان کے لیے استغفار کثرت سے کرتا رہے۔[1]

سوال: ۳۴۶:- کافر کے حقوق کیسے ادا کئے جائیں مالی نہیں، بلکہ ایسے جیسے غیبت وغیرہ؟

الجواب: اگر وہ مل جائے تو معاف کرالیے جائیں ورنہ اس کے لیے دعاء ہدایت (کی جائے)۔[2]

مسلمانوں اور ہندوؤں کے حقوق سے معافی کا طریقہ

سوال ۵۲۱:- حقوق العباد ایک مسلمانوں کے مسلمانوں پر ہوتے ہیں، ایک مسلمانوں پر ہندوؤں کے، ان کی معافی کے کیا طریقے ہیں اور اگر یہاں معافی کسی وجہ سے نہ ہووے تو آخرت میں اس کا معاوضہ کس طرح ہوگا اور معافی کی صورت وہاں کیا ہوسکتی ہے اگر کوئی شخص خواہ ہندو ہو یا مسلمان، لوگوں کے کہنے سننے سے یا ظاہری طریقہ سے معاف کردے اور دل میں کدورت باقی رہے تو وہ معافی سمجھی جائے گی یا نہیں؟ جو مسلمان مرگیا ہو اس کو اگر ایصالِ ثواب کوئی شخص کرے جس پر اس کے حقوق ہوں تو وہ معاوضہ ہوسکتا ہے یا نہیں، اور ان کو کوئی ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح ایصال ثواب سے ہندوؤں کا حق ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کو کوئی ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حقوق کے معاف کرانے کا تو طریقہ ایک ہی ہے خواہ مسلمان کے

---

[1] بیان القرآن ص ۴۷، سورہ حجرات۔ [2] امداد الفتاویٰ ۲۶۸/۴۔

ہوں یا ہندوؤں کے یعنی اہل حقوق سے درخواست کی جائے کہ معاف کردیں۔

اور اگر وہ حقوق مالیہ ہوں تو ایک طریقہ برأت کا ان کا ادا کردینا بھی ہے، اور معافی نہ ہونے کی صورت میں جس پر حق آتا ہے اس کے حسنات حق والے کو قیامت میں دلوائے جائیں گے اور اگر وہ کافی نہ ہوں گے تو حق والے کے سیئات (گناہ) اس پر ڈالے جائیں گے۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ حق والا مسلمان ہو، ورنہ صرف دوسری صورت ہوگی جس سے حق والے (غیر مسلم) کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوجائے گی اگرچہ نجات نہ ہوگی۔

اور معافی عنداللہ وہی معتبر ہے جو دل سے ہو۔

ایصالِ ثواب حقوق کا تو معاوضہ نہیں ہوسکتا مگر اس عمل سے یہ امید غالب ضرور ہے کہ حق والا اس سے خوش ہوکر خود معاف کردے، لیکن ہندو کو ایصالِ ثواب نہیں ہوسکتا، اس کو نفع بھی نہیں ہوتا۔[1]

---

[1] امدادالفتاوی ۴/۴۶۹۔

باب۴

حکام کی اطاعت کا بیان

حکام کی اطاعت کے حدود اور مسئلہ کی مختلف صورتیں

جس صورت میں سلطان نے کوئی حکم دیا ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱- اگر وہ حکم ایسا ہو کہ اس میں عام لوگوں کی مصلحت ہے (اور اس کے) خلاف کرنے میں عام ضرر ہو، اس میں (حاکم کی اطاعت اور قانون کی پابندی) ظاہراً و باطناً واجب ہے (یعنی علانیہ طور پر بھی واجب ہے اور خفیہ طور پر یعنی حاکم کو اطلاع بھی نہ ہو تب بھی واجب ہے)۔

۲- اور اگر ایسا نہیں ہے (یعنی خلاف کرنے میں عام ضرر نہیں) تو صرف ظاہراً (حاکم کی اطاعت) واجب ہے تاکہ فتنہ نہ ہو، باطناً واجب نہیں (یعنی اگر حاکم کو اطلاع نہ ہو تو خفیہ طور پر اس حکم کے خلاف کرنے میں گناہ نہیں) کیوں کہ اپنے نقصان کے التزام کا ہر شخص کو اختیار ہے۔

۳- (حاکم نے جو حکم دیا ہے) ایسا حکم دائمی نہیں ہو سکتا حاکم کی حیات تک باقی رہے گا پھر باطل ہو جائے گا اس کے بعد کے حاکم کو خصوصیت کے ساتھ تجدید کی حاجت ہوگی (مزید تفصیل اور دلائل کے لیے ملاحظہ ہو)[1]

---

[1] امدادالفتاوی ۴۴۳۹/۳، سوال ۴۳۹۔

حکام کی اطاعت اور حکومت کے قوانین کی پابندی کا شرعی ضابطہ

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (راجح یہ ہے کہ) حکام اسلام کی اطاعت مباحات میں بھی ضروری ہے اگر حاکم کسی مباح کو منع کر دے محکومین (رعایا) پر اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ آیات و احادیث میں امراء مسلمین کی اطاعت واجب ہونے کا حکم مصرح ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا محل (موقع) وہی امر ہے جو فی نفسہ مباح ہے (یعنی جائز ہے ورنہ واجب یا حرام میں خود امر و نہی شرعی (یعنی شریعت کا حکم کرنا) کافی ہے۔ اس میں اولوالامر کا کیا دخل۔

(اسی طرح) امر مجتہد فیہ میں (یعنی جس مسئلہ میں اختلاف ہو اس میں) حاکم مسلم اگر ایک شق متعین کر دے تو وہ واجب ہو جاتی ہے۔[1]

حاکم کے ظلم کرنے کی صورت میں شرعی حکم

(حاکم اگر) فسق اختیار کرے جس کا اثر دوسروں تک پہنچے جس کو ظلم کہتے ہیں (اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کا تعلق دنیا سے یعنی مال سے ہوگا یا اس ظلم کا تعلق دین سے ہوگا اگر) اس ظلم کا محل صرف مال ہو یعنی لوگوں کے مال ناحق لینے لگے (اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ کہ اس میں جائز ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ دوسرے جس میں جائز ہونے کا شبہ نہ ہو اگر پہلی صورت ہے یعنی) اس میں جواز کا اشتباہ بھی ہو سکتا ہے جیسے مصالح سلطنت کے نام سے (یعنی حکومت کے فائدے اور مصلحت کے نام سے) ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے (اس کا حکم یہ ہے کہ حاکم کی اور اس کے قانون کی

---

[1] امداد الفتاوی ۲/۳۱۳-۳۱۵۔

پابندی) اور اطاعت کرے۔

(دوسری صورت میں یعنی جب حاکم) مالی ظلم کرے مگر اس میں جواز کا بھی اشتباہ نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو (اس کا حکم یہ ہے کہ) اپنے اوپر سے ظلم کو دفع کرے اگرچہ قتال کی نوبت آجائے (البتہ) صبر کرنا بھی جائز ہے بلکہ غالباً اولیٰ ہے اور یہ قتال للخروج (بغاوت) نہیں ہے بلکہ دفاع کے لیے ہے اور حدیث میں جو فاسمع واطع کا امر ہے جو ظاہراً وجوب کے لیے ہے، اس کی تفسیر عدم خروج (یعنی بغاوت نہ کرنا) ہے پس کوئی تعارض (اور اشکال بھی) نہیں مگر چونکہ یہ دفاع بھی صورۃً خروج (بغاوت) تھا لہٰذا صبر کی اولویت ظاہر ہے۔ جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔[1]

حاکم اگر دینی امور میں ظلم وزیادتی کرنے لگے اس صورت کا شرعی حکم

(حاکم اگر ایسا) فسق وظلم اختیار کرے جس کا محل مظلومین کا دین ہو یعنی ان کو معاصی (اور شریعت کے خلاف باتوں) پر مجبور کرے۔ مگر یہ فسق (ظلم) اسی وقت تک ہے جب کہ اس کا منشاء استخفاف، یا استقباح دین اور استحسان کفر (یعنی دین کو حقیر اور برا جاننا اور کفر کو اچھا سمجھنا) نہ ہو ورنہ یہ بھی حقیقۃً کفر ہوگا (جس کا حکم پہلے گزر چکا) یا فی الحال تو اس کا منشاء (سبب) استخفاف وغیرہ نہ ہو، لیکن اکراہ عام قانونی شکل میں ایسے طریقہ پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عمل ہونے سے ظن غالب یہ ہو کہ آئندہ چل کر طبیعتوں میں استخفاف (یعنی اس شرعی حکم کی حقارت) پیدا ہوجائے گی، تو ایسا اکراہ (اور قانون بنانا بھی) کفر کے حکم میں ہوگا۔ چنانچہ فقہاء کا اذان وختنہ کو (جو کہ سنت ہیں) عام طور پر

---

[1] امداد الفتاویٰ ۱۲۱/۵۔

ترک کرنے کو استخفاف دین یا تارکین (چھوڑنے والوں) سے لڑائی کا موجب قرار دینا صریح دلیل ہے ایسے عموم کے کفر میں ہونے کی۔

اس صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ (صورتیں یعنی ظلم وزیادتی) اکراہ علی المعاصی کے قبیل سے ہیں اس کا مستقلاً حکم کتاب الاکراہ میں مذکور ہے وہاں معلوم کیا جائے[1]

حاکم کے ظلم کرنے کی صورت میں مظلومین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے شرعی حکم

یہ حکم تو خود مظلومین کے قتال کا تھا باقی دوسروں کے لیے امام (حاکم) کے مقابلہ میں ان مظلومین کی اعانت (مدد) کرنا یا ان کے مقابلہ میں امام کی اعانت کرنا (شرعاً اس کا حکم کیا ہے؟) سو امام کی اعانت تو اس صورت میں بالاتفاق حرام ہے، باقی مظلومین کی اعانت (وحمایت) کرنا اس میں جامع الفصولین اور فتح کی عبارت میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی نے تطبیق کی کوشش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس اعانت (یعنی مظلومین کی حمایت) کے مفید ہونے کی امید ہو تو اعانت کرے اور قواعد سے مفید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی فتنہ مرتب نہ ہو ورنہ اعانت نہ کرے۔ واللہ اعلم[2]

بعض حالات میں غیر اسلامی حکومتوں کی نصرت واجب ہے

اصولیین وفقہاء کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ **ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام** یعنی حلال وحرام کا مجموعہ حرام ہی ہوتا ہے اور یہی مسئلہ عقلی بھی ہے کہ کامل اور ناقص کا مرکب ناقص ہی ہوتا ہے تو کفار اور مسلم سے جو سلطنت مرکب ہوگئی ایسی حکومت بھی غیر اسلامی ہوگی۔ پس جب کہ ترکی میں (جمہوریت) قائم ہوگئی ہے

---

[1] امدادالفتاویٰ ۵/۱۲۱۔ امدادالفتاوی ۵/۱۲۱۔

اور غیر مسلم سے مشترک ہے تو وہ اسلامی سلطنت نہ ہوگی لیکن مسلمانوں پر اس کی نصرت واجب ہے کیونکہ دوسری سلطنتیں اس کا مقابلہ اسلامی سلطنت سمجھ کر کرتی ہیں۔

وقد افتی استاذی بنصرۃ بعض اھل البدعۃ فی مقابلۃ اھل الکفر لان اھل الکفر انما زا حموھم فی البدعۃ زعما منھم انھا من الاسلام.[2]

حاکمِ وقت کسی امر مباح کا حکم دے تو وہ واجب ہوتا ہے

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ حاکم وقت اگر کسی امر مباح کا حکم دے یا منع کرے تو اس کی اطاعت واجب ہوجاتی ہے اور اس کی دلیل وہ نصوص ہیں جن میں سمع وطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبنی ہے ”وَمَا کَانَ لِمُؤمِنٍ وَلاَ مُؤمِنَۃٌ الآیہ۔ کیونکہ یہ نکاح جس کی وجہ سے یہ آیت نازل کی گئی، واجب نہیں تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے واجب ہوگیا تھا۔ لہٰذا اس قول کی بھی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وحی کی وجہ سے تھا اور حاکم جب مصلحت دیکھے گا اپنے اجتہاد سے حکم دے گا۔[3]

حاکم کیذمہ محکوم کے حقوق

حاکم میں بادشاہ ونائب بادشاہ اور آقا وغیرہ، اور محکوم میں رعیت (پبلک) اور نوکر وغیرہ سب داخل ہیں۔

حاکم کے ذمہ یہ حقوق ہیں:

---

[1] شریعت وسیاست ص ۱۹، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۳۱۔

[2] افادات اشرفیہ ص ۱۵، بوادر النوادر۔ [3] بیاض اشرفی۔

(۱) محکوم پر دشوار احکام نہ جاری کرے۔

(۲) اگر محکومین (رعایا) میں آپس میں کوئی منازعت (جھگڑا) ہوجائے عدل (وانصاف) کی رعایت کرے، کسی جانب میلان نہ کرے۔

(۳) ہر طرح ان کی حفاظت وآرام رسانی کی فکر میں رہے۔

(۴) داد خواہوں (مظلوموں اور ضرورت مندوں) کو اپنے پاس پہنچنے کے لئے آسان طریقہ مقرر کرے۔

(۵) اگر اپنی شان میں اس سے کوتاہی یا خطا ہوجائے کثرت سے معاف کردیا کرے۔

محکوم کے ذمہ حاکم کے حقوق

اور محکوم کے ذمہ یہ حقوق ہیں:

(۱) حاکم کی خیر خواہی اور اطاعت کرے، البتہ خلاف شرع امر میں اطاعت نہیں۔

(۲) اگر حاکم سے کوئی امر خلاف طبع پیش آئے صبر کرے۔ شکایت وبددعا نہ کرے۔ البتہ اس کی نرم مزاجی کے لئے دعاء کرے۔ اور خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اہتمام کرے کہ اللہ تعالیٰ حکام کے دل کو نرم کردیں۔ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے۔

(۳) اگر حاکم سے آرام پہنچے اس کے ساتھ احسان کی شکر گذاری کرے۔

(۴) باقی محکومین آزاد ہیں، دائرہ حکومت میں رہنے تک حقوق ہوں گے اور خارج ہوجانے کے بعد ہر وقت مختار ہیں۔[۱]

---

[۱] حقوق الاسلام ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۴۳۶

باب ۵

حکومت کی چوری

حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی اور چوری کرنا جائز نہیں

عوام الناس کا فتوی یہی ہے کہ کافروں کا مال جس طرح بھی ملے لے لیا جائے سب جائز ہے۔ چنانچہ ریل میں بے احتیاطیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے (کوئی بغیر ٹکٹ کے سفر کرتا ہے کوئی خلاف قانون زیادہ سامان لاد کرلے جاتا ہے) اس طرف توجہ ہی نہیں کہ قانون سے زیادہ سامان ریل پر لے جانا چاہئے، یا نہیں؟

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کفار کا قانون ماننا ضروری تھوڑی ہے مگر خوب سمجھ لیجئے کہ یہ قانون (اور اس طرح کے بہت سے قوانین صرف) ملکی قانون نہیں ہے، جو یہ عذر کیا جائے بلکہ یہ شرعی قانون اجارہ کے متعلق ہے۔

(بالفرض) اگر سلطنت ہونے کی حیثیت سے اس کا ماننا ضروری نہ بھی ہو تو اجارہ کے شرعی قانون کے لحاظ سے تو ماننا ضروری ہے۔ شرائط اجارہ میں سلطنت اور غیر سلطنت برابر ہیں۔ تو ان کا قانون (یعنی حکومت کا قانون) شرعی اجارہ کے قانون کے لحاظ سے واجب العمل ہے، جب انہوں نے قانون مقرر کردیا ہے کہ (مثلاً) پندرہ کلو سے زیادہ سامان کسی کو بغیر کرایہ کے لے جانے کی اجازت نہیں تو اگر تھوڑا بھی اس سے زیادہ ہوگا تو اس وجہ سے کہ (شرائط اجارہ اور قانون کے خلاف ہے نیز) غیر کی حق تلفی ہے۔ اس لیے اس کا لے جانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

بہت سے لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کفار کا مال ہے چاہے جس طرح تصرف کرو، یہ ان کی غلطی ہے۔[1]

کافروں کا ناحق مال کھانا اور ان کا حق دبانا جائز نہیں

فرمایا بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کا ہم پر کوئی حق نہیں اور ان کا مال ہر طرح کھانا جائز ہے اور اس سے کوئی وبال نہیں پڑتا، حالانکہ اس کا وبال مسلمانوں کا حق دبانے سے زیادہ ہوتا ہے اس واسطے کہ نصوص (قرآن وحدیث) سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن حق والے کو اس ظالم (یعنی حق دبانے والے اور ناحق مال کھانے والے کی) نیکیاں دلائی جائیں گی یا پھر حق والے کے گناہ اس پر ڈالے جائیں اگر کافر کے گناہ مسلمان پر ڈالے گئے تو کافر کے گناہ ظاہر ہے کہ زیادہ سخت ہوتے ہیں وہ اس پر ڈالے جائیں گے کتنی سخت بات ہے۔[2]

غلط فہمی کا ازالہ اور احتیاط کا مقتضیٰ

عوام الناس کا تو فتویٰ ہے کہ کفار کا مال جس طرح بھی ملے سب جائز ہے (اس میں پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہیں) یہ ان کی غلطی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ وجہ گھڑی ہے کہ ہمارے بہت سے حقوق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گئے ہیں۔ اسی لیے ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم خفیہ طور سے وصال کریں۔

اول تو اس میں یہ بات ہے کہ کیا ہر شخص کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے اور پھر جن کے حقوق گورنمنٹ کے ذمہ ہوں تو کیا ان کے پاس اس کا حساب ہے کہ کتنے حقوق گورنمنٹ کے ان کے ذمہ ہیں یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں بلکہ اگر ثابت بھی

---

[1] احکام المال ملحقہ التبلیغ ۹/۱۵۔ [2] ملفوظات حکیم الامت دعوات عبدیت ۱۱۸/۴، مطبوعہ دیوبند۔

ہو جائے کہ اس کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے تب بھی نفس کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس کو جیسی عادت ڈالی جاتی ہے ویسی ہی پڑ جاتی ہے۔ اگر اس کی عادت ڈالی گئی تو وہ اس کا عادی ہو جائے گا اور آئندہ حد سے آگے بڑھے گا جہاں قطعاً جائز نہ ہوگا وہاں بھی اسی عادت پر عمل کرے گا نفس کو تو ذرا سا بہانہ چاہئے۔

الغرض اگر ثابت بھی ہو جائے کہ گورنمنٹ کے ذمہ ہمارا حق رہ گیا ہے جب بھی ایسا نہ کریں علاج کا مقتضی یہی ہے ورنہ عادت ہو جانے کے بعد اپنا حق وصول ہو جانے پر بھی نفس (یہ حرکت) نہیں چھوڑے گا۔[1]

جن ٹکٹوں پر مہر نہ لگی ہو اس کا دوبارہ استعمال کرنا درست نہیں

میرے پاس کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ جن پر یا تو ڈاکخانہ کی مہر ہی نہیں ہوتی یا ہوتی بھی ہے تو ٹکٹ پر مہر نہیں ہوتی۔

اگر میری نیت بری ہو تو ان ٹکٹوں سے دوبارہ نفع اٹھا سکتا ہوں کہ دوسرے خطوط پر لگا کر بھیج دوں مگر شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی، کیونکہ جو پیسے لفافہ کے دئے گئے ہیں وہ اجرت کے طور پر ہیں اور وہ لفافہ کی شکل اصل میں ان پیسوں کی رسید ہے پس جب ڈاک پہنچی تو وہ پیسے وصول ہو گئے اب اس رسید سے (یعنی لفافہ) یا ٹکٹ سے دوسری بار وصول کرنا حرام ہے۔ پس میں ایسے ٹکٹوں کو پھاڑ کر پھینک دیتا ہوں۔

ریل کے ٹکٹ سے اسی طرح ڈاک کے ٹکٹ سے دوبارہ نفع اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ جتنے کام کی یہ رسید تھی اتنا کام تو آپ نے ڈاک سے لے لیا اب اگر دوسرا کام لینا ہو تو دوسرا ٹکٹ خریدنا پڑے گا، اس سے نفع لینا حرام ہوگا۔[2]

---

[1] احکام المال التبلیغ ۹/۱۵۔ [2] الاتمام لنعمۃ الاسلام التبلیغ ص ۱۴۲، ۳۰۔

بغیر ٹکٹ یا خلاف قانون سفر کرنا درست نہیں

ایک طالب علم نے مسئلہ پوچھا کہ میں فلاں جگہ سے سوار ہو کر فلاں جگہ اترا، حالانکہ ریل کا ٹکٹ میں نے صرف تھوڑی ہی دور (قریب والے اسٹیشن) تک کا لیا تھا، پھر چوری سے بیٹھے ہوئے دور تک چلا آیا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟

فرمایا فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک کا جو کرایہ ہو اس میں سے جو تم دے چکے ہو اس کو گھٹا کر باقی ادا کر دو۔ (یعنی اتنی دور تک کا ٹکٹ لے کر پھاڑ کر پھینک دو)[1]

ایک مرتبہ ایک طالب علم سفر کر رہے تھے میں بھی ریل میں سوار تھا ہم تو درمیانی درجہ میں تھے وہ تیسرے درجہ میں (یعنی تھرڈ کلاس میں) یہ شخص محبت سے ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئے اور ایک دو اسٹیشن تک بیٹھے رہے، اس کے بعد اتر کر اپنے درجہ میں جانے لگے میں نے ان سے کہا کہ تم نے اتنی مسافت درمیانہ درجہ میں طے کی ہے اور تمہارے پاس ٹکٹ تیسرے درجہ کا ہے اتنی مقدار تمہارے ذمہ محصول کی دَین (قرض) ہے۔ تم اس کو ادا کر دینا اور آسان ترکیب بتلا دی، کہ جس قدر محصول (کرایہ) درمیانہ درجہ کا تیسرے درجہ سے زائد ہو، اس کا ٹکٹ اسی لائن کا خرید کر چاک کر دینا (یعنی پھاڑ کر پھینک دینا) بس ادا ہو جائے گا۔ ورنہ گناہ ہوگا۔ اس گناہ کی تلافی یہی ہے کہ اس کا بدل ادا کر دے کیونکہ یہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے[2]

حکومت کی طرف سے دی ہوئی سرکاری پنسل کو بھی اپنے کام میں لانا جائز نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ پنسل (وغیرہ) دفتر میں سرکاری ملازمین کو دی جاتی

---

[1] حسن العزیز ۱/۱۲۸۔ [2] احکام المال التبلیغ ۱۵/۲۲۔

ہے اور ایک ماہ کے خرچ کے لیے ایک پنسل ملتی ہے اور اس میں سے کچھ بچ جاتی ہے اس کو اپنے کام میں لانا درست ہے یا نہیں۔ بہت سے لوگ بچی ہوئی کو اپنے کام میں لے لیتے ہیں۔

فرمایا کہ جائز نہیں یہ تو سرکاری کام میں استعمال کے لیے دی جاتی ہے ان کو مالک تھوڑی بنایا جاتا ہے اور اس کا ایک آسان امتحان یہ ہے کہ جو بچ جائے اس کو پیش کر کے (یعنی واپس کر کے) دیکھ لو، اطلاع کرنے پر بھی یہ حکم نہ ہوگا کہ جو بچی ہوئی ہے وہ تمہاری ہے اور اس کا ایک مہینہ کے لیے مقرر کرنا یہ صرف انتظامی چیز ہے یہ نہیں کہ ان کو ایک مہینہ کا ٹھیکہ دے دیا ہے[1]

کافر کا مال لینا، مسلمان کا مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے

مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کے متعلق ایک عجیب بات فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا مال لینا مسلمان کا مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اگر کسی کا مال ہی رکھنا ہو تو مسلمان کا رکھ لے، کافر کا نہ رکھے۔ کیونکہ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی تو اگر کسی مسلمان پر ظلم کیا تو نماز، روزہ ظالم کا اس کے بھائی ہی کو ملے گا۔ خیر اگر ظاہر میں ظلم کیا تو باطن میں قومی ہمدردی بھی تو کی، کہ اپنی نیکیاں اسے دے دیں۔ اور اگر کافر کا حق رکھا تو ایک تو اپنی نیکیاں پرائے گھر گئیں۔ پھر اس صورت میں نہ تمہارا بھلا، نہ اس کا بھلا۔ کیونکہ وہ تو پھر بھی جہنم میں ہی گیا، اگر کوئی کہے کہ پھر اسے نفع کیا ہوا جب نیکیاں اس کے کار آمد نہ ہوئیں؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفع تو ہوگا مگر اتنا کم ہوگا کہ اسے محسوس نہ ہوگا جیسے اگر کسی

---

[1] حسن العزیز ۱۰۱/۵۸ سوم۔

کے پاس من بھر سونے کا ایک ڈھیر ہے اور اس میں سے کسی نے ایک رتی بھر سونا چرالیا تو واقع میں تو کمی ہوئی مگر محسوس نہ ہوکی لیکن کوئی عقل منداس کی اجازت نہ دیگا کہ اتنا سا چرالیا کرو۔

بہر حال مولانا کی تقریر سے معلوم ہوا کہ کافر کا مال لینا مسلمان کے مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے [1]

ایک استدلال اوراس کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''**لَایَحِلُّ مَالُ امْرِی مُسْلِمِ اِلَّا بِطِیْبِ نَفَس مِنْہُ**''۔

یہاں ایک شبہ نئے مجتہدوں کی طرف سے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسلم کی قید لگائی ہے اس لیے کافر کا مال جبراً (زبردستی) لینے میں کیا حرج ہے؟

حدیث میں تو مسلم کی قید ہے اس لیے مسلمان کا مال تو بغیر اس کی دلی مرضی کے حلال نہیں ہوگا، لیکن کافر کا تو ضرور حلال ہے اور شاید پھر اس استدلال کے پیش نظر ریل میں بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے ہوں کہ وہ مسلمان کی نہیں ہے۔ غیر مسلم اس کے مالک ہیں، اور بعض لوگ اسے سرکاری سمجھ کر یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ سے اپنا حق وصول کرتے ہیں (حالانکہ) یہ مسئلہ بھی خود اپنی جگہ پر قابل بحث ہے کہ غیر جنس سے حق وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مگر بہت سے لوگ اس جگہ مسلم کی قید دیکھ کر یوں سمجھے ہوں گے کہ کافروں کا مال لینے میں کچھ حرج نہیں خواہ اس پر ہمارا حق ہو یا نہ ہو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسلمان کا مال جبراً لینے کو منع فرمایا ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ عادۃً مسلمانوں کو سابقہ

---

[1] وعظ اسرار العبادۃ، ملحقہ حقیقت عبادت ص ۱۶۶۔

مسلمانوں ہی سے (زیادہ تر) پڑتا ہے (اس لیے مسلمانوں کا مال ناحق لینے کا زیادہ امکان ہوتا ہے) ورنہ عام نصوص کی وجہ سے اس طرح کسی کا بھی مال لینا حلال نہیں چنانچہ بعض احادیث میں آیا ہے:

’’الرجل يقتطع مال الرجل‘‘۔ (ترغیب)

دوسرا جواب یہ ہے کہ:

کافر ذمی (جو اسلامی حکومت کی ماتحتی میں ہو) اور کافر مسالم (یعنی جن سے معاہدہ ہو) حقوق ظاہرہ اور معاملات میں شرعاً مثل مسلمان کے ہیں: لهم ما لنا وعليهم ما علينا (جو حکم ہمارے لیے وہ ان کے لیے بھی) البتہ حربی کافر کا مال مباح ہے مگر وہاں بھی فریب مکر (یعنی دھوکہ جھوٹ وغیرہ) جائز نہیں۔

تیسرا جواب یہ کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عادل امت سے یہ احتمال ہی نہ تھا کہ کوئی مسلمان کسی کافر کو نقصان پہنچائے گا اگر کرے گا تو اپنے بھائی ہی کی گلوتراشی کرے گا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس سے بھی روک دیا

غرض دلی مرضی کے بغیر کسی کا بھی مال حلال نہیں ہوتا (گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو)۔

---

[1] اسرار العبادہ ملحقہ حقیقت عبادت ص ۱۶۸۔

باب ٦

دار الحرب اور سود

دار الحرب میں حربیوں سے سود لینے کا مطلب

ایں قدر ظاہر است کہ گرفتن سود از حربیاں بایں وجہ حلال است کہ مال حربی مباح است اگر در ضمن آں نقض عہد نباشد و حربی چوں خود بخود بدہد بلا شبہ حلال خواہد بود۔

ترجمہ: یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ حربیوں سے سود لینا اس وجہ سے حلال ہے کہ حربی کا مال مباح ہے اگر اس کے ضمن میں نقض عہد نہ ہو اور حربی جب خود بخود دے تو بلا شبہ حلال ہوگا۔[1]

اور مسلمان کا کسی غیر مسلم کو سود دینا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[2]

مسلک کی توضیح

ربوٰ بین المسلمین والحربی (یعنی دار الحرب میں حربیوں سے سود لینے کا مسئلہ) مختلف فیہ ہے امام صاحب اور امام محمدؒ چند قیود کے ساتھ جواز کی طرف گئے ہیں، اور ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ عدم جواز کی طرف (یعنی ان کے نزدیک جائز نہیں)۔[3]

---

[1] امدادالفتاوی ۲۵۴-۳۱۲/۳۔ [2] امدادالفتاوی ۱۷۳/۳۔ [3] امدادالفتاوی ۱۵۷/۳۔

قائلین جواز کی دلیل

جو لوگ (دارالحرب میں حربی سے سود لینے کو اور) بینک کے سود کو جائز کہتے ہیں وہ شرعی دلائل سے رِبوٰ کی حرمت کے لیے مال محترم کی قید لگاتے ہیں اور ''مال محترم'' سے مراد وہ مال ہے جو غیر مباح ہو، اور مال محترم کی اس سے زیادہ آسان تعبیر یہ ہے کہ جس مال میں عقد صحیح کے بغیر تصرف جائز نہ ہو وہ مال محترم ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ آسان تعبیر یہ ہے کہ جس مال پر جہاد میں بھی قبضہ جائز نہ ہو، وہ مال محترم ہے پس ایسا مال تو مومن یا ذمی کا ہے باقی حربی کا مال عارضی عہد کی وجہ سے محترم ہو جاتا ہے ورنہ فی نفسہ محترم نہیں کیونکہ مال کے اندر احترام صاحب مال کے احترام کی وجہ سے آتا ہے اور کافر غیر ذمی محترم نہیں لہٰذا اس کا مال بھی محترم نہیں، جب احترام نہیں تو اس میں ربوٰ بھی نہیں یہ حاصل ہے ان قائلین جواز کے قائل کا۔

جواز کے شرائط

جن حضرات کے نزدیک (دارالحرب میں حربیوں سے سود لینا) جائز ہے ان کے نزدیک بھی اس میں اتنی قیدیں ہیں:

۱- وہ محل دارالحرب ہو

۲- ربوٰ کا معاملہ حربی سے ہو

۳- مسلم اصلی سے نہ ہو، اور نہ ذمی سے ہو۔ اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے کے قبل اسلام لایا ہو خود یا اپنے آباء و اجداد کی اتباع میں۔

۴- معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو، جو خود دارالحرب

میں رہتا ہو، اس قید رابع (چوتھی قید) کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ روایات فقہیہ کے مفاہیم حجت ہیں، اس بناء پر اوپر کی روایات سے یہ قید لازم ہے۔

اب جو مسلمان یہ معاملہ کرتے ہیں (یعنی غیر مسلموں سے سود لیتے ہیں) وہ یہاں ہی رہتے ہیں کسی دارالاسلام سے یہاں نہیں آئے اس میں بینک سے معاملہ کرنے والے بھی داخل ہیں کہ یہ قید چہارم ان میں نہیں پائی جاتی تو اس بناء پر خود امام صاحب کے قول پر بھی یہ معاملہ جائز نہ ہوا۔[1]

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی رائے

(دارالحرب میں حربی سے سود لینا اور) بینک کے سود کا مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے میری رائے اس میں یہ ہے کہ میں اس کو ناجائز سمجھتا ہوں۔[2]

کسی نے کہا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب غیر دارالاسلام میں عقد ربوٰ کو جائز لکھتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ لا ربو بین المسلمین والحرب (یعنی مسلم وحربی کے درمیان ربوٰ کا تحقق ہی نہیں ہوتا)۔

فرمایا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں ہمارے بعض اکابر جائز فرماتے تھے، اس کی وجہ سے مجھ پر اعتراض ہوا کہ آپ نے اپنے بڑوں کی مخالفت کی۔

میں نے جواب دیا کہ یہ مخالفت نہیں، خلاف تو جب ہوتا ہے کہ وہ جائز کہتے اور میں ناجائز کہتا، میں نے تو احتیاط کو لیا ہے۔ احتیاط تو اچھی چیز ہے۔[3]

---

[1] امداد الفتاوی ۱۵۸/۳۔ [2] رافع الضنک۔ [3] ملفوظات اشرفیہ ص ۱۳۷، حسن العزیز ۱۲۷/۳

حضرت تھانوی اور دیگر علماء کی رائے کا فرق

جو لوگ دار الحرب میں حربی کے مال کو بلا عذر (یعنی دھوکہ عہد شکنی جھوٹ کے بغیر اس کی رضامندی سے خواہ عقود فاسدہ ہی کے ذریعہ یعنی صورۃً سودی معاملہ کے ذریعہ) سے کیوں نہ ہو لینا جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک حلال ہوگا۔

میری رائے اس میں یہ ہے کہ وہ مال تو حلال اور طیب ہوگا لیکن چونکہ اس نے عقد فاسد کرنے کا ارتکاب کیا ہے نص کے عموم کی وجہ سے اس کا گناہ ہوگا[1]

وما فی الکتب الفقھیہ من انہ لا ربو بین المسلم والحربی فلا یستلزم اباحۃ المال اباحۃ العقد واللہ اعلم[2]

یعنی مال کی اباحت سے عقد کی اباحت لازم نہیں آتی۔

دار الحرب میں حربی سے سود لینے کے متعلق

حضرت تھانویؒ کی ایک تحقیق

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰو. (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو۔

فائدہ: احقر نے جو اس آیت سے سمجھا ہے (وہ یہ ہے کہ) دار الحرب میں حربی سے سود لینا حرام ہے کیونکہ یہ بقایا سود زمانۂ جاہلیت کا تھا جس وقت کہ مکہ دار الحرب تھا، اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اس کا مطالبہ ہر حال میں درست ہے گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو، مثلاً ایک نصرانی نے دوسرے نصرانی

---

[1] ملفوظات، دعوات عبدیت ۱۴۸/۱۹۔ [2] امداد الفتاوی ۲۰۵-۱۶۰/۳۔

سے ایک روپے کی شراب خریدی ان کے لیے معاملہ حلال تھا پھر دونوں مسلمان ہو گئے باوجودیکہ اب ایسی بیع وشراء درست نہیں مگر پچھلا روپیہ وصول کرنا درست ہے۔

پس جب ربوٰ (سود) میں پچھلا بقایا لینے کی اجازت نہ ہوئی معلوم ہوا کہ اس وقت بھی (حربی سے دارالحرب میں سود لینا) حلال نہ تھا پھر جب حربی حربی میں درست نہ ہوا تو مسلم اور حربی میں کیسے درست ہوگا؟ رہا لیا ہوا واپس نہ ہونا یہ تخفیف تھی حرام کا علم نہ ہونے کی وجہ سے حرج کثیر کے دفع کرنے کے سبب ہے۔

اور فقہی روایت جو اس کے متعلق مشہور ہے احقر کے نزدیک اس کی خاص تفسیر ہے جس سے سود کی حلت لازم نہیں آتی۔ (بیان القرآن ۱/۱۶۸ سورۂ بقرہ)

حضرت تھانویؒ کی رائے کی دلیل

فرمایا الہامی تحقیق کے طور پر ایک بات لکھ لو، وہ یہ کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ ''لا ربو بین المسلم والحربی فی دارالحرب'' اس سے ربوٰ کے جواز پر استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ اس قسم کی ترکیب کے دو مطلب ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لا مضائقة فیه (یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں) دوسرے یہ کہ لا یتحقق حقیقته ولا یترتب جمیع احکامه (یعنی سود کی حقیقت نہیں پائی جاتی اور اس کے جملہ احکام مرتب نہیں ہوتے) مثلاً لا ربوٰ کے یہ معنی ہوں گے کہ ان میں ربوٰ کی حقیقت ہی مرتب نہیں، تو اس کا اثر زائد سے زائد یہ ہوگا کہ اس پر تمام احکام مرتب نہ ہوں گے مثلاً یہ کہ اس (رقم) کا واپس کرنا واجب نہ ہوگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ربوٰ کے دوسرے آثار بھی مرتب نہ ہوں مثلاً گنہگار ہونا کہ اس کا تحقق ربوٰ کی حقیقت نہ پائے جانے کے باوجود بھی ہوگا۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود فقہاء بھی لا ربو بین العبد وسیده (یعنی غلام

اوراس کے آقاء کے درمیان سود نہیں ہوتا) میں ربٰو کی حقیقت کا نہ پایا جانا تسلیم کیا ہے لیکن صورۃً سودی معاملہ کے ارتکاب سے دونوں گنہگار رہوں گے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ لا صلوٰۃَ اِلَّا بِطُھُورٍ (پاکی کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس میں نفی کے معنی یہی ہیں کہ بغیر وضو کے نماز کی حقیقت محقق نہ ہوگی لیکن اس کے باوجود اس طرح (بلا وضو) نماز کی ہیئت (وصورت) بنانے سے اس پر گناہ ہوگا۔

اسی طرح لا نِکَاحَ بَیْنَ المحَارِمِ (محارم مثلاً ماں بہن کے درمیان نکاح نہیں) اس میں بھی یہی مراد ہے جس کا اثر یہ ہے کہ (نکاح کے بعد بھی) مہر اور نفقہ واجب نہ ہوگا لیکن نفس اس فعل سے گناہ ضرور ہوگا۔

اسی طرح لا صوم یوم عید (عید کے دن روزہ نہیں) اس میں بھی یہی ہے (کہ روزہ نہیں ہوگا اور صورۃً روزہ رکھنے سے گناہ ہوگا۔

اسی طرح لا رضاع بعد الفطام (یعنی دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی) اس میں بھی یہی معنی ہیں، کہ رضاعت کی حقیقت کا تحقق نہ ہوگا۔ چنانچہ حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی لیکن مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے کا گناہ ضرور ہوگا۔

پس جب حدیث لا ربوا لخ اس معنی کو محتمل ہے اور خود احادیث میں اس کے مؤیدات ونظائر اس قدر موجود ہیں، تو اس حدیث سے ربٰو کی حلت (یعنی جائز ہونے) پر استدلال کافی نہیں ہوگا[1]

---

[1] ملفوظات دعوات عبدیت ۹۱/۱۹، مطبوعہ دیوبند۔

گنجائش کی صورت اور سودی رقم کا مصرف

۱- مجبوری اور اشد ضرورت میں ان لوگوں کے قول پر عمل کرے، جو جواز ربوٰ فی دارالحرب کے قائل ہیں (یعنی حربی سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں) [1]

۲- اگر غلطی سے روپیہ (بینک میں) جمع ہو چکا تو اخف المفسدتین (یعنی کم درجہ کا مفسدہ) یہ ہے کہ لے کر غرباء پر تقسیم کر دیا جائے [2]

۳- بعض علماء کے نزدیک اس کا لینا جائز ہے اگر اس قول پر عمل کر لیا جائے گنجائش ہے اور بہتر ہے کہ امداد مجروحین (یعنی زخمی مفلس، بدحال بھائیوں کی مدد) میں دیدیا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ گناہ نہ ہوگا [3]

شرعی دلیل

وفی المقام تفریعان لطیفان یتعلقان بقصة موسی علیه السلام مبنیا ن علی کون ما قص الله ورسوله علینا من غیر نکیر حجة لنا.

احدهما اباحة مال الحربی برضاه ولو بعقد فاسد فان استیجار الامر لا رضاع الابن عقد فاسد وهو مذهب الحنیفة [4]

ترجمہ: دو لطیف مسئلے جو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے متعلق ہیں اور اس اصل پر مبنی ہیں کہ جس قصہ کو اللہ و رسول نے بغیر نکیر کے بیان فرمایا ہو وہ ہمارے لیے حجت ہے ان میں سے ایک مسئلہ جو حربی کے مال کی اباحت کا ہے جب کہ اس کی رضامندی کے ساتھ ہو اگر چہ عقد فاسد کے واسطہ سے ہو کیونکہ حقیقی بیٹے کو دودھ پلانے کی اجرت کا

---

[1] ملفوظات دعوات عبدیت ۱۵۱/۱۹، مطبوعہ دیوبند۔ [2] الافاضات الیومیہ ۱۳۲/۸، ق:۱۔

[3] امداد الفتاویٰ ۳/۱۷۱ سوال ۳۲۶۔ [4] بوادر النوادر ۱/۱۰۸۔

معاملہ (یعنی ماں اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کی اجرت لے یہ معاملہ) فاسد ہے۔ (حضرت ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے)۔

حربیوں سے سود لینے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی سب سے آخری تحریر

تكلموا فى امثال هذا المعاملات هل يكون العقد موثماً والمال مباح أم يباحان جميعاً فبعض العلماء ذهب الى الأول.

فى تحذير الاخوان عن مولانا محمد يعقوب فى تاويل قول الامام بجواز الربا فى دارالحرب ان معناه لو اخذ مسلم درهمين بدرهم من الحربى فى دارالحرب لم يتعرض له الامام كما لا يحده اذا زنى فى دارالحرب، وحاصله الجواز قضاء لا ديانةً فحل المال لا يقتضى حل العقد لان حِلّه ليس مستفادا من العقد بل من جهة اخرى فيكون العقد موثماً واجاب خصمهم بان محمداً قد صرحوا بجواز العقد فى غير مواضع من السير الكبير واكثر العلماء ذهب إلى الثانى مستدلين بعبارات غير فارقة بين العقد والمال والله اعلم.[1]

ترجمہ: فقہاء نے اس قسم کے مسائل میں بحث کی ہے کہ آیا عقد ربٰو (یعنی دارالحرب میں حربی سے سود لینے کے لیے کوئی عقد کرنا) گناہ ہے اور وہ مال مباح ہوگا یا عقد اور مال دونوں ہی مباح ہوں گے۔ بعض علماء اول کے قائل ہیں (یعنی یہ کہ مال تو مباح لیکن عقد ناجائز ہوگا) اور تحذیر الاخوان میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے منقول

---

[1] ۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ۔

ہے کہ امام صاحب کے اس قول کا مطلب ”کہ دارالحرب میں سود جائز ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی حربی سے دارالحرب میں ایک درہم کے عوض دو درہم لے لے تو حاکم اس سے تعرض نہ کرے گا۔ جس طریقہ سے کہ دارالحرب میں اگر کوئی زنا کر لے تو امام اس پر حدزنا جاری نہ کرے گا۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ قضاءً تو جائز ہے دیانۃً جائز نہیں۔ مال کے حلال ہونے سے عقد کا حلال ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ مال کی حلت عقد کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری جہت سے ہے لہٰذا عقد تو موجب گناہ یعنی ناجائز ہوگا۔

دوسرے فریق (یعنی مال کے ساتھ عقد کے بھی قائلین جواز) نے اس کا جواب دیا کہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں متعدد مواقع میں عقد کے جواز کی بھی تصریح فرمائی ہے اور اکثر علماء فقہاء نے دوسرے مسلک کو اختیار کیا ہے۔ (یعنی یہ کہ مال کے ساتھ عقد بھی جائز ہے) اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ ان فقہی عبارات سے جس میں عقد و مال کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم[1]

---

[1] بیاض اشرفی ص ۱۴۰۔

فصل

غیر مسلم حکومت کی ملازمت جائز اور اس کی تنخواہ بالکل حلال ہے

غیر مسلم حکومت کی نوکری اچھی نوکری ہے

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الآیۃ ۔ (پ۲۸)

اس آیت میں فیٔ (مال غنیمت) کا ذکر ہے یعنی مال غنیمت فقراء مہاجرین کے لیے ہے۔ یہ تو آیت کا ظاہری مطلب ہے جس کو سب سمجھ گئے، اور ایک مسئلہ اور بھی اس آیت میں ہے جس کو مجتہدین سمجھے اور ان کے سمجھنے کے بعد ہم بھی سمجھ گئے۔

وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ میں اس میں گفتگو ہوئی کہ اگر کفار زبردستی مسلمانوں کے مالوں پر قابض ہو جائیں تو مالک بن جاتے ہیں یا نہیں؟ سب ائمہ کی رائے تھی کہ نہیں ہوتے، امام صاحب نے فرمایا کہ مالک ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہی آیت ہے کیونکہ فقیر کی تعریف ہے **من لا یملک شیئا** یعنی جو کسی شیٔ کا مالک نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مہاجرین ہجرت سے پہلے مالدار تھے مگر ہجرت کے وقت وہ مال کفارِ مکہ کے قبضہ میں ہو گیا تھا اگر کفار مکہ قبضہ سے ان کے مال کے مالک نہ ہو جاتے تو ان کو فقراء کیوں کہا جاتا۔

امام صاحب کا یہ مسئلہ ہم لوگوں کے حق میں بڑی رحمت ہے، اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تو آج ہمیں حلال روزی نہ ملتی اس واسطے کہ آج کل غیر مسلم حکومتوں میں تحصیل (یعنی مال کی آمدنی) شرعی اصول کے موافق کہاں ہوتی ہے۔ ہم جن کی نوکری کرتے ہیں وہ

ہمیں تنخواہ دیتے ہیں اور ان کی تحصیل (یعنی مال حاصل کرنا) اصول شریعت کے موافق نہیں اس لیے دوسرے ائمہ کے یہاں وہ خود مالک نہیں ہوئے، تو ان کے دینے سے ہم کب مالک ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ تملیک تو فرع ہے ملک کی (یعنی کسی کو مالک بنانا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ خود مالک ہو) مگر امام صاحب کے نزدیک وہ مالک ہوگئے، اس لیے ان کے دینے سے ہم بھی مالک ہوجاتے ہیں اسی واسطے اسلامی ریاستوں کی نوکری سے غیر اسلامی ریاستوں کی نوکری کو اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ یہ شرعاً مالک ہوگئے اور وہ مالک نہیں ہوئے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ مسلم کی نوکری سے غیر مسلم کی نوکری اچھی ہے؟ جی ہاں عجیب ہی سہی۔ یہ مصلحت ہے امام صاحب کے مذہب میں۔ل

اگر کوئی کہے کہ مہاجن کے پاس روپیہ یا اناج کہاں سے آیا ہے اس کے پاس بھی تو سود وغیرہ کا ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر حکومت میں دو شخص ہوں ایک باغی ہو اور ایک رعایا میں جو عہدیدار بھی ہے اور دونوں مثلاً چوری کے جرم میں پکڑے گئے تو اس عہدیدار کو تو چوری کی سزا ہوگی، اور باغی کی اس پر سزا نہ ہوگی، اس کے لیے یہ جرم ہی نہیں اس کو سزا بغاوت پر ہوگی۔ وہ اگر بغاوت پر معافی چاہے تو سب کھایا پیا معاف ہے، پس کفر تو بمنزلۂ بغاوت کے ہے اس کے ہوتے ہوئے فروعی احکام کا مخاطب ہی نہیں اور ہم ہیں رعایا میں سے پس مہاجن کے لیے سود وغیرہ جرائم نہیں ہیں، اس کے یہ جرائم کفر کے اندر کھپ گئے اور ہمارے لیے یہ سب جرائم ہیں، بہت موٹی بات ہے کہ جب تک بیٹا اطاعت کے دائرہ میں رہتا ہے تو اس سے ہر قسم کا مواخذہ کیا جاتا ہے اور جب دائرہ اطاعت ہی سے نکل جائے تو پھر اس سے ہر بات پر گرفت نہیں ہوتی۔ اس کی بڑی شکایت یہ ہوگی کہ اطاعت نہیں کرتا یہ شکایت نہ ہوگی کہ فلاں شرارت کیوں

ل التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ ص:۳۷۶

کی؟ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ مہاجن سے جو قرض آپ لیں گے اس میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔[1]

ضرورت کے وقت ناجائز عہدوں کو بھی قبول کرنے کی اجازت ہے

اس وقت (دیندار) مسلمانوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ ایسی حکومتیں (اور عہدے) قبول کرلیا کریں (جو کہ فی نفسہ ناجائز ہیں) اور یہ اس قاعدہ میں داخل ہے کہ اشد المفسد تین کو دفع کر لینے کے لیے اخف المفسد تین (یعنی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان) کو اختیار کرلیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی برا (اور غلط) لیکن دوسرے مفسدہ کی بہ نسبت پھر بھی اخف (ہلکا) ہے اور وہ بڑا مفسدہ یہ ہے کہ ہماری قوم (اور دیندار غریب مسلمان) بالکلیہ دوسروں (کافروں، فاسقوں، فاجروں) سے مغلوب نہ ہو جائے، کیونکہ اگر ہم بھی حاکم ہوں گے تو ہم پر ظلم کم ہوگا، پس اس نیت سے اگر (ناجائز) عہدہ لے لے تو اس میں بڑی مصلحت ہے۔[2]

(الغرض اس قسم کے ناجائز عہدوں کو) اگر مضرت (یعنی نقصان) کو دفع کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے تاکہ امت مسلمہ (مرحومہ) پر کفار (اور بددینوں) کی طرف سے جو مظالم اور مضرتیں (مصیبتیں اور دشواریاں) پہنچتی ہیں اہل مناصب (یعنی مسلمان عہدیدار) بقدر امکان اگر ان کو دفع نہ کرسکیں تو کم از کم تقلیل وتخفیف (یعنی کمی) کرسکیں تو اس صورت میں جواز کی گنجائش ہے۔[3]

---

[1] الصیام ص:۱۷۰۔ [2] حسن العزیز ۳/۱۵۸۔

[3] صائب الکلام فی مناصب الحرام ملحقہ بوادر النوادر ۲/۷۹۸۔

(حاصل یہ ہے کہ ناجائز عہدوں کو حاصل کرنا) اس نیت سے جائز ہے کہ میں لوگوں کو نقصان سے بچاؤں گا یا اس نیت سے کہ دوسرا جو نقصان پہنچاتا ہے اس سے کم پہنچے گا یعنی اس کے مقابلہ میں مجھ سے نقصان کم پہنچے گا دوسروں سے زیادہ پہنچے گا۔[1]

شرعی تحقیق

قاعدہ شرعیہ ہے کہ اشد الضررین کے دفع کے لیے اخف الضررین کو گوارہ کر لیا جاتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ حصولِ نفع کے لیے ضرر دینی کو گوارا نہیں کیا جاتا اس بنا پر اس مسئلہ میں تفصیل ہوگی کہ جو لوگ ان حکومتوں (یعنی ناجائز منصب اور عہدوں) کو اختیار کرتے ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ ان کے قبول کرنے سے خود ان کو یا عام مسلمانوں کو کوئی شدید نقصان لاحق ہونے کا ظن غالب ہے یا نہیں۔ دوسری صورت میں (یعنی جب کہ نقصان پہنچنے کا خطرہ اور ظن غالب نہ ہو) ان حکومتوں (اور عہدوں) کا قبول کرنا جائز نہیں اور پہلی صورت میں دیکھنا چاہئے کہ آیا اس شخص کی نیت اس نقصان کے دفع کرنے کی ہے (جس کا مسلمانوں کا خطرہ ہے) یا محض مال وجاہ کا نفع حاصل کرنے کی (نیت ہے) پہلی نیت ہو تو جواز کی گنجائش ہے۔ اور دوسری نیت ہو (یعنی مال وجاہ کی) تو ناجائز۔

پس کل تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں (یعنی جب کہ نقصان سے بچانے کی نیت سے منصب حاصل کیا جائے اس صورت میں) جواز کی گنجائش ہے (باقی دو صورتوں میں نہیں)۔

اور آیت وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (یعنی جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں (اس آیت کا مصداق) بقیہ

---

[1] حسن العزیز ۴/۱۶۰۔

دو صورتیں ہوں گی (نہ کہ پہلی) البتہ اگر دو ناجائز صورتوں میں بھی سلطنت کی طرف سے مجبور کیا جائے اور عذر قبول نہ کیا جائے تو پھر ان میں بھی گنجائش ہے۔ لیکن ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو خلاف شریعت سے بچنے کی کوشش کرے۔[1]

خلاف شرع فیصلہ کرنے والوں کی تنخواہ حلال ہے یا نہیں؟

سوال : سرکاری ملازمین جو قوانین شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں ان کی تنخواہ حلال ہے یا مشتبہ؟

الجواب: فی نفسہ تو مشتبہ ہے (لکونہ عوضاً عما یوافق الشرع وعما لا یوافقہ) لیکن اباحت مال غیر مسلم وغیر ذمی کی بناء پر (یعنی غیر مسلم وغیر ذمی کا مال مباح ہے اس وجہ سے حنفیہ کے نزدیک طیب ہے)۔[2]

ایک وکیل صاحب نے دعوت کی۔ حضرت نے فرمایا وکالت کی آمدنی میں خود فقہاء کو کلام ہے خواہ مقدمات سچے ہی آتے ہوں اور جھوٹے مقدمات میں تو کسی کو اس کے ناجائز ہونے میں کلام نہیں مگر ہندوؤں سے آمدنی کا حصہ زیادہ آتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک کافر غیر ذمی سے اس کی رضامندی سے اس کا مال لینا درست ہے اس لیے امام صاحب کے اس قول پر فتوی کی رو سے کھانا جائز ہے۔[3]

کچہری اور بینک کی ملازمت

سوال ۳۹۰: کچہری (اور بینک) کے ملازمین جو کاغذات کی نقل وغیرہ کرتے ہیں ان کی وہ ملازمت جائز ہے یا نہیں اتنی بات ضرور قابل تحریر ہے کہ نقل میں

---

[1] امداد الفتاویٰ ۴۳۰/۳ سوال نمبر ۴۳۹۔ [2] ملفوظات خبرت ۴۳/۳۔

[3] حسن العزیز ۱۱۵/۳۵۵ سوم۔

سود بھی لکھنا پڑتا ہے اور بعض میں نہیں۔ اگر یہ ملازمت جائز نہیں کوئی شرعی طریقہ جائز ہونے کا تحریر فرمایئے کہ جس میں نقل نویسی کی تنخواہ جائز اور درست ہو جائے۔

الجواب: سود کے مضامین کی نقل کرنا یہ سود کی اعانت ہے یہ تو ناجائز ہے لیکن اس کام کی تنخواہ ایک فقہی قاعدے کی بنا پر حلال ہے۔

وھی اباحة مال غیر المسلم والذمی برضاہ فی غیر دارالاسلام

(یعنی اس وجہ سے تنخواہ حلال ہے کہ غیر دارالاسلام میں غیر مسلم اور ذمی کا مال اس کی رضامندی سے مباح اور حلال ہوتا ہے)[۱]

---

[۲] امدادی الفتاوی ۳/۴۰۰۔

باب ۷

غیر مسلموں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک

بعض حقوق محض مشارکت نوعی کی وجہ سے ثابت ہو جاتے ہیں یعنی صرف آدمی ہونے کی وجہ سے ان کی رعایت واجب ہوتی ہے گو مسلمان نہ ہوں، وہ یہ ہیں:

۱- بے گناہ کسی کو جانی یا مالی تکلیف نہ دیں۔

۲- شرعی وجہ کے بغیر کسی کے ساتھ بدزبانی نہ کرے۔

۳- اگر کسی مصیبت، فاقہ، مرض میں مبتلا دیکھے اس کی مدد کرے کھانا پانی دے دے، اور علاج معالجہ کر دے۔

۴- جس صورت میں شریعت نے سزا کی اجازت دی ہے اس میں بھی ظلم و زیادتی نہ کرے اس کو ترسائے نہیں[۱]

کفار کے ساتھ تعلقات رکھنے کی تین صورتیں

کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں موالات، یعنی دوستی مدارات، یعنی ظاہری خوش خلقی، مواسات: یعنی احسان اور نفع رسانی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱- موالات (یعنی قلبی دوستی) تو کسی حال میں جائز نہیں۔

۲- اور مدارات تین حالتوں میں درست ہے ایک دفع ضرر (یعنی) نقصان

---

[۱] حقوق الاسلام ص ۱۴۔

سے بچنے کے واسطے دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی یعنی ہدایت کی توقع کے واسطے تیسرے اکرام ضعیف (یعنی مہمان کے احترام) کے لیے۔

۲- مواساۃ (یعنی کفار کے ساتھ حسن سلوک) اور ان کو نفع پہنچانے کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب (یعنی جن سے لڑائی ہے جو لڑنے مرنے والے ہیں ان) کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے[۱]

کافروں کی مدد کرنے کے متفرق احکام

موالات بمعنی نصرت یعنی کفار کی مدد کرنا اگر اسلام کے حق میں مضر (یعنی نقصان دہ) ہو تو مطلقاً ناجائز ہے خواہ نقصان کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

اور جس مدد سے اسلام کو نقصان نہ ہو مگر وہ خود ناجائز ہو (جیسے شراب جوئے وغیرہ میں کافر کی مدد کرنا) اس میں بھی نصرت ناجائز ہے۔

اور اگر اس مدد سے اسلام کا نقصان بھی نہ ہو اور وہ فعل مباح (یعنی جائز) بھی ہو اگر بلا اجرت کے ہے تو اس کا حکم مواسات کا ہے جس کا حکم ابھی گذر چکا[۲]

موالات اور کفار سے تعلقات رکھنے کے متفرق احکام

۱- ''حقیقی موالات'' یعنی قلبی دوستی ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے اس میں ذمی (جو اسلامی حکومت کی ماتحتی میں رہتے ہوں) حربی محارب مسالم (یعنی لڑنے والے کفار اور صلح و امن کے ساتھ رہنے والے کفار اس حکم میں سب برابر ہیں)۔

۲- ''صوری موالات'' بمعنی ظاہری دوستی یعنی ایسا برتاؤ جیسا دوستوں سے ہوتا ہے جس کو ''مدارات'' کہتے ہیں اپنی مالی مصلحت و نفع کے لیے تو درست نہیں خصوصاً

---

[۱] بیان القرآن ملخصا ۱۰/۲ آل عمران۔

[۲] افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۱، اشرف السوانح ۱۷۱/۳۔

جب کہ دینی نقصان کا بھی خطرہ ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ اختلاط حرام ہوگا۔

البتہ یہی مدارات دفع مضرت (یعنی نقصان سے بچنے اور دور کرنے کے لیے) درست ہے۔ اسی طرح ہدایت کی توقع کے لیے بھی مدارات کرنا درست ہے۔

۳- مواسات یعنی احسان و نفع رسانی (یعنی کفار کو نفع پہنچانا) اہل حرب کے ساتھ (یعنی لڑنے مرنے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے کافروں کے ساتھ) ناجائز ہے اور غیر اہل حرب (یعنی جو ایسے نہ ہوں) ان کے ساتھ جائز ہے۔

۴- حربیوں (یعنی لڑنے والے کفار کے ساتھ) کسی خاص موقع پر احسان کرنے میں اسلام کی مصلحت ہو یا اس کے اسلام کی توقع ہو تو یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی ایسے وقت حربیوں کے ساتھ احسان کرنا بھی درست ہے)۔

اسی طرح کسی حربی کی اضطراری حالت ہو مثلاً بھوک پیاس یا گر جانے سے ہلاکت کے قریب ہو تو یہ صورت بھی مستثنیٰ ہے (یعنی عام حالات میں ایسے حربی کافر کی جان بچائی جائے گی البتہ خاص حالات یعنی لڑنے کی حالت میں نہیں)۔

نوٹ: دلائل و فقہی عبارات اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں[1]

کافروں کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی ترغیب

سوال: خیر خیرات کے ذریعہ غیر قوموں کے ساتھ (یعنی کافروں کے ساتھ) سلوک کرنا درست ہے یا نہیں؟

فرمایا اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ صدقات واجبہ (مثلاً زکوۃ) میں اہل اسلام کی تعیین ہے وہ تو غیر مسلم کو دینے سے ادا ہی نہیں ہوتے۔

اور صدقات نافلہ میں حاجت پر مدار ہے۔ مسلم اور غیر مسلم میں اول وجہ ترجیح

---

[1] افادات اشرفیہ ص ۱۱، اشرف السوانح ۳/۱۷۱۔

حاجت ہے (یعنی جو زیادہ حاجت مند ہوگا اور مقدم ہوگا) مثلاً ایک کافر مرا جاتا ہے اور ایک مسلمان بھی موجود ہے جس کو اتنی حاجت نہیں تو ایسے موقع پر یہ چاہئے کہ مسلمان کو چھوڑ کر اس کافر کو کھلایا جائے۔

حاجت و ضرورت کے وقت ترجیح اہل حاجت کو ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ یہ اسلام کے صدق اور غیر متعصب ہونے کی دلیل ہے کہ کافر جو مسلمانوں کا دشمن ہے اس کو کھلائیں، مجاہدہ اسی کو کہتے ہیں [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے، کہ صدقات مطلقاً (یعنی نافلہ بھی) غیر مسلم کو نہ دیئے جائیں، بہت سے صحابہ کفار کو اس مصلحت سے خیرات نہ دیتے تھے کہ شاید اسی تدبیر سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی رائے دی تھی۔ اس پر یہ آیت اتری: ''لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يشآءُ'' الآیۃ۔

اس آیت میں دونوں طرح کے خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کافروں کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ فرض واجب نہیں، یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے جس کو چاہیں ہدایت پر لے آئیں۔ اور اے مسلمانو! جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو، حق تعالیٰ کی رضامندی کے سوا کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے، اور یہ غرض ہر حاجت مند (ضرورت مند) کی حاجت پوری کرنے سے حاصل ہوتی ہے پھر مسلمان فقیر کی تخصیص کیوں کی جائے، تم کو اپنے عوض (یعنی اللہ کی رضامندی اور آخرت کے ثواب) سے مطلب رکھنا چاہئے اور یہ عوض ہر حال میں ملے گا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ ملتوی فرما دیا۔

---

[1] حسن العزیز ۴/۴/۲۷۔

مسئلہ: حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ: کافر ذمی یعنی غیر حربی (جو لڑنے والا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو) اس کو صرف زکوۃ وعشر دینا جائز نہیں اور دوسرے صدقات واجبہ ونفل سب جائز ہیں۔ اور آیت میں زکوۃ داخل نہیں۔[1]

کافر کے ساتھ ہمدردی

کفار کو زکوۃ کے علاوہ اور صدقہ دینا بھی جائز کر دیا گیا ہے موت کے وقت کافر کو پانی پلانا درست ہے، کفار سے ملنے میں بھی رحمت کی رعایت کی گئی ہے کتنی بڑی رحمت ہے کہ نافرمانوں پر بھی رحم کرنے کا حکم ہے۔ ہاں جس کافر نے ضرر (نقصان) پہنچایا ہو اس کے لیے دوسرا حکم ہے۔

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِن حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ۔[2]

ترجمہ: اور ان کو نکال باہر کرو، جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کی تین صورتیں

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ تین قسم کے ہو سکتے ہیں:

محبانہ (یعنی دوستی) محسنانہ (یعنی سلوک اور رواداری) منصفانہ (یعنی عدل و انصاف)۔

پہلی قسم مطلقاً (ہر حال میں) کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں خواہ ذمی ہو یا حربی اہل کتاب ہو یا مشرک، اس کی ممانعت سورہ ممتحنہ کی شروع کی آیات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اس کے علاوہ اور بھی دوسری آیات میں مذکور ہے۔

---

[1] بیان القرآن بقرہ ۱۶۴/۱، حسن العزیز ص ۲۷۴۔ [2] التبلیغ شب مبارک ۳۵/۸

اور تیسری قسم کا برتاؤ (یعنی عدل وانصاف) ہر قسم کے کفار کے ساتھ جائز بلکہ واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور یہ امر ونہی دونوں اس آیت میں ہیں۔

لایَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی أن لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ (مائدہ پ۶)

اور کسی خاص گروہ کی عداوت تک تم کو اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل (وانصاف) نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اور دوسری قسم کے تعلقات بعض کفار کیساتھ جائز نہیں (اور بعض کے ساتھ جائز ہیں سورۂ ممتحنہ کی آیات میں اس کی تفصیل مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محسنانہ برتاؤ ذمی کفار، یا معاہد ومصالح (یعنی صلح ومعاہدہ کرکے ساتھ رہنے والوں) کے ساتھ جائز ہے۔ حربی (لڑنے مرنے والے دشمن اسلام) کے ساتھ جائز نہیں[1]

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ورواداری

لایَنْھٰکُمُ اللہ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْ الدِّیْنِ ...... الی قولہ تعالیٰ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الظّٰالِمُوْنَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔

اس سے مراد وہ کافر ہیں جو ذمی یا مصالح (یعنی صلح کرنے والے صلح پسند) ہوں یعنی حسن سلوک کا برتاؤ ان سے جائز ہے۔ مصالحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ احسان سے دریغ نہ کیا جائے اور مطلق انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ واجب

---

[1] البدائع ص ۱۷، بدیعہ ص ۶۔

ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

البتہ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی یعنی احسان کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن تمہارے نکالنے میں نکالنے والوں کی مدد کی ہو، یعنی ان کے ساتھ شریک ہوں اور جو شخص ایسوں سے دوستی کا برتاؤ کرے گا سو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔[1]

سنبھل کر دوستی کرو

بعض بدفہم اور کم سمجھ مسلمان غیر مسلموں کو اپنا دوست سمجھ کر ان کے بغلوں میں جا کر گھستے ہیں (ان سے اپنے راز بیان کرتے ہیں) ان ناعاقبت اندیشوں کو معلوم بھی ہے کہ بزرگوں کا مقولہ ہے ”کہ نادان دوست سے دانا دوست اچھا ہوتا ہے اور جو نادان بھی ہو اور دشمن بھی، تب کیا کہنا۔[2]

جو شخص حکومت یا سلطنت کے باغیوں سے میل جول رکھتا ہے یا ان کو امداد پہنچاتا ہے وہ شخص بھی باغیوں ہی میں شمار کیا جاتا ہے ہم جس کے وفادار ہیں، وفاداری اسی وقت تک ہے کہ ہم اسکے دشمنوں سے نہ ملیں۔[3]

دوست سے سنبھل کر دوستی کرو، زیادہ میل جول نہ کرو، شاید کسی دن دشمن ہو جائے تو گھر کے بھیدی (رازدار) کی دشمنی بہت نقصان دہ ہوتی ہے اور اگر کسی کو اپنے دوست کے متعلق دشمنی کا احتمال نہ ہو تو وہ اپنے ہی متعلق یہ احتمال رکھے کہ شاید کسی دن میں ہی بدل جاؤں، اس لیے اتفاق میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اگر کسی سے عداوت کرو، وہاں بھی حد کے اندر عداوت کرنا چاہئے حد

---

[1] بیان القرآن ملخصاً ۱۱/۱۳۳۔ [2] ملفوظات ص ۱۸۷، اصلاح المسلمین ص ۵۱۹۔
[3] ملفوظات ص ۴۹، اصلاح المسلمین ص ۵۱۹۔

سے نہ بڑھے کیونکہ کیا خبر ہے کسی وقت پھر دوستی کرنے کی ضرورت ہو تو اس وقت آنکھیں سامنے کرنے سے شرم آئے۔[1]

الکفر ملۃ واحدہ

کافر جتنے ہیں سب اسلام کے دشمن ہیں کوئی گورا ہو یا کالا، دونوں سانپ ہی ہیں بلکہ گورے سانپ سے کالا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے اگر گورے سانپ کو گھر سے نکال بھی دیا، کالا ڈسنے کو موجود ہے، جس کا ڈسا ہوا زندہ رہنا ہی مشکل ہے۔[2]

جب تک ہم کلمہ پڑھتے ہیں تمام غیر مسلم ہمارے دشمن ہیں اس میں کالے گوروں کی کچھ قید نہیں، مسلمانوں میں جو بڑے بڑے خوشامدی ہیں وہ (غیر مسلم) ان کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتے۔[3]

گو کفار اپنی کسی مصلحت سے مسلمانوں کی کچھ رعایت کریں مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ اسلام کو اپنے لیے مضر سمجھتے ہیں اور اس واسطے اس کے مٹانے کی فکر میں ہیں۔

بعض لوگ کفار کی ایک جماعت کو برا کہتے ہیں اور بعض دوسری جماعت کو، میں کہتا ہوں دونوں برے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نجاست مرئیہ اور ایک نجاست غیر مرئیہ (یعنی ایک کی گندگی، ناپاکی ظاہر ہے ایک کی پوشیدہ ہے مگر) ہیں دونوں نجاست۔[5]

---

[1] الانسداد، اصلاح المسلمین ص۵۱۲۔ [2] الافاضات ۶/۱۹۷۔ [3] الافاضات ۵/۱۷۷۔

[4] اصلاح المسلمین ص۵۱۷۔ [5] الافاضات ۲/۳۰۲۔

کفار ومشرکین کے ہدایا وتحائف خصوصاً دیوالی وغیرہ کے موقع پر لین دین کا حکم

سوال : ہندو اپنے تہواروں میں اگر مسلمانوں کو بطور ہدیہ کے کچھ دیں مثلاً دیوالی کے موقع پر اکثر ہندو مسلمانوں کے یہاں مٹھائی وغیرہ لایا کرتے ہیں ان کا قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اور اگر کوئی شخص قبول کر کے کسی دوسرے کو کھلانا چاہے تو اس شخص کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

اگر کفار خاص اپنے تہوار کے لیے کوئی خاص مٹھائی بنائیں مثلاً کھلونے وغیرہ تو اس کا دوکان سے خریدنا جائز ہے یا نہیں، مسلمان اور کافر کے درمیان مطلقاً ہدیہ کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : ان روایات[1] فقہیہ سے مہادات مسئول عنہا (یعنی ہدیہ سے متعلقہ سوالات) کے احکام کی تفصیل معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی دینی ضرر (نقصان) نہ ہو تو کفار مصالحین سے (یعنی غیر حربی کافروں سے) ہدایا کا لین دین جائز ہے اور اس سے اکثر سوالوں کا جواب ہوگیا (یعنی یہ کہ ہر صورت میں جواز ہے بشرطیکہ دینی نقصان نہ ہو)۔

صرف دو جزو خاص قابل تعرض باقی رہ گئے، ایک یہ کہ دیوالی کا ہدیہ شاید اس تہوار کی تعظیم کے لیے ہو جس کو فقہاء نے سخت ممنوع لکھا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں تصویریں بھی ہوتی ہیں ان کا احترام واستعمال لازم آتا ہے تو اس میں بھی شرعی حکم کا

---

[1] دلائل وفقہی عبارت کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

معارضہ ہے۔ اول کا جواب یہ ہے کہ یہ عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہدیہ کا سبب مہدیٰ لہ (یعنی جس کو ہدیہ دیا جاتا ہے اس) کی تعظیم ہے نہ کہ تہوار کی تعظیم۔

اور ثانی کا جواب یہ ہے کہ مقصود اہداء (یعنی ہدیہ دینے میں مقصود) صورت نہیں بلکہ مادہ ہے البتہ یہ واجب ہے کہ مہدیٰ لہٗ (یعنی جس کو ہدیہ دیا گیا ہے وہ) فوراً تصاویر کو توڑ ڈالے[1]

کافروں سے معاملات یعنی خرید وفروخت اوران کی ملازمت کرنے کا حکم

جن معاملات میں کوئی ناجائز کام نہ کرنا پڑے کفار کے ساتھ درست ہیں خواہ کافر ذمی ہو یا حربی۔ مسالم ہوں یا غیر مسالم، البتہ وہ معاملات اس سے مستثنیٰ ہیں جن کی ممانعت صراحۃً ہے جیسے غیر کتابی سے نکاح کرنا، باقی دوسرے معاملات درست ہیں مثلاً ان کی نوکری کرنا، ان کو نوکر رکھنا، اس سے قرض لینا، ان کے پاس رہن (گروی) رکھنا، ہدیہ دینا، ان سے کچھ خریدنا ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچنا، اوران معاملات کو غیر ملکی مناصرت ومعاونت کہنا بلا دلیل ہے ورنہ فقہاان کو جائز نہ فرماتے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان معاملات سے مقصود اپنی مصلحت ہے نہ کہ کفار کی یا اگر ان کی بھی مصلحت ہوتو وہ اسلام کے حق میں مضر نہیں[1]

کافروں سے خدمت لینے اوران کی خدمت کرنے کا شرعی حکم

کافروں سے خدمت لینا اگر وہ اس طور پر ہو کہ وہ مسلمانوں کا بالکل تابع ہو اور غدر (دھوکہ) کا احتمال نہ ہو تو جائز ہے، اور اگر برابری یا متبوعیت کے طور پر ہو (اس

---

[1] امداد الفتاویٰ ۴۸۲/۳، سوال ۵۱۶۔ [2] الروضۃ الناضرۃ ص ۱۲، اشرف السوانح ص ۱۷۲۔

طرح کہ مسلمان کافر کے تابع ہو) یا دھوکہ کا احتمال ہو تو اسلام کو نقصان پہنچنے کے احتمال کی وجہ سے ناجائز ہے۔

البتہ مجبوری کے حالات اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی جہاں مسلمان محکوم (اور کافر حاکم) ہوں[1]

ہندوؤں کی دکان سے مٹھائی وغیرہ سامان خریدنا

سوال (۱۸۷): ہندوؤں کی دکان سے مٹھائی وغیرہ خریدنا اور ان کے یہاں کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ظاہر میں کوئی نجاست نہ ہو تو جائز ہے، لیکن اس پر بھی اگر اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے تو زیادہ بہتر ہے[2]

کافروں کے گھر کا اور ان کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھانا

کافروں کی نجاست باطنی ہوتی ہے جو ظاہری طہارت کے منافی نہیں پس جو احکام ظاہری طہارت کے متعلق ہیں وہ سب ثابت ہوں گے۔ وہ پانی پلائے یا احتیاط سے کوئی حلال کھانا پکا کر کھلائے، وہ کھانا پینا جائز اور حلال ہوگا۔

ہاں اگر کوئی یوں سمجھے کہ ہندو باوجودیکہ اہل باطل ہیں اور ہم سے جو کہ اہل حق ہیں ذلیل و ناپاک سمجھ کر پرہیز کرتے ہیں تو اس کی پاداش میں ہم بھی ان سے احتراز رکھیں اس احتیاط کا کچھ مضائقہ نہیں۔ الحق یعلو ولا یعلی۔[3]

سوال (۳۵۰): جو ہندو مسلمان کو برا اور ذلیل سمجھتے ہیں ان کے گھر کا کھانا

---

[1] الروضۃ الناضرہ ص ۱۲، اشرف السوانح ص ۱۷۱۔ [2] امداد الفتاویٰ ۳/۱۴۱۔

[3] امداد الفتاویٰ ۴/۱۱۵

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: گناہ تو نہیں مگر بے غیرتی ہے۔[1]

غیر مسلم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھانا

سوال: کسی عیسائی کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر ایک پیالہ اور ایک ہی رکابی میں کھایا جائے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے کیا ساتھ کھانے سے اتحاد ہوتا ہے اور کیا ان لوگوں سے اتحاد منع ہے؟

الجواب: کافروں سے بلاضرورت اختلاط اور ارتباط ممنوع ہے اور (ساتھ) کھانا کھانا بے ضرورت اختلاط و ارتباط ہے (اس لیے منع ہے) البتہ ضرورت کے وقت گنجائش ہے۔[2]

مدرسہ و مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لینا

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر کوئی ہندو مسجد میں بطور امداد رقم دے دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: فرمایا جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر لیا جائے تو دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ دینے والے ایسے نہ ہوں کہ دے کر احسان جتلا دیں، دوسرے یہ کہ اس سے مسلمان متاثر ہو کر ان کے مذہبی چندہ میں شریک نہ ہونے لگیں اس خیال سے کہ انہوں نے ہمارے یہاں چندہ دیا تھا ہم کو بھی دینا چاہئے، ممکن ہے کہ وہ مندر بنانے لگیں تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے مسجد میں دیا تھا تم مندر میں دو، تو ایسی جگہ چندہ لینا بھی جائز نہیں۔ اور اگر ان باتوں کا اندیشہ نہ ہو تو لے لیا جائے کوئی حرج نہیں۔

---

[1] امدادالفتاوی ۴/ ۲۷۰۔ [2] امدادالفتاوی ۴/ ۲۷۱۔

اور یہ قرائن سے معلوم ہوسکتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اس کا تو احتمال ہے کہ شاید ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہبی چندہ میں شریک کریں۔ فرمایا: تو ایسی صورت میں لینا جائز نہیں۔

(خلاصہ یہ کہ) دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ دینے والے ایسے نہ ہوں کہ دے کر احسان جتلاویں، دوسرے یہ کہ اس سے مسلمان متاثر ہو کر ان کے مذہبی چندہ میں شریک نہ ہونے لگیں، ورنہ پھر جائز نہیں۔[1]

سوال ۷۸۵: ایک نئی مسجد تعمیر ہو رہی ہے ہندو لوگ اس میں چندہ دینا چاہتے ہیں ہندو لوگوں کا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ احتمال نہ ہو کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام (یعنی مسلمان) ان کے ممنون (ومشکور) ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے، اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔[2]

غیر مسلموں کی بھیجی ہوئی افطاری کا حکم

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ہندو اگر افطاری میں مٹھائی بھیجے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

فرمایا: فتویٰ کی رو سے جائز تو ہے مگر مجھ کو غیرت آتی ہے کہ آئندہ یوں کہنے لگیں کہ اگر ہم مدد نہ کرتے تو کیسے بہار ہوتی۔ مسجد میں ایسے موقع پر ان کے شریک کرنے سے دو خرابیاں ہیں، ایک تو امتنان (یعنی کافر کا احسان) دوسرے مسلمانوں میں کرم (وسخاوت کا مزاج) غالب ہے۔ اور سوچتے سمجھتے ہیں نہیں پھر ان کے تہواروں میں مدد دینے لگتے ہیں اور ہندوؤں کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو احسان کرتے ہیں پھر اپنا کام بناتے ہیں۔[3]

دلائل کی روشنی میں مسئلہ کی تحقیق یہی ہے کہ اگر کافر اپنے مذہب کی رو سے اس کو ثواب سمجھے تو اجازت دے دی جائے ورنہ نہیں، البتہ اجازت دینا کسی اسلامی مصلحت کے خلاف ہو تو

---

[1] الافاضات الیومیہ ۹۸/۲۔ [2] امداد الفتاویٰ ص ۶۸۸ ج ۲ [3] ملفوظات اشرفیہ ص ۳۰۲۔

اجازت نہ ہوگی[1]

دوسرے جواز وعدم جواز سے قطع نظر اس میں مجھے یہ خیال بھی ہے کہ اس صورت میں اسلام پر کافر کا احسان ہوتا ہے اور یہ (بلاضرورت) مناسب نہیں[2]

کافر پڑوسی کی دعوت جائز ہے

سوال: ۳۵۱: ایک مشرک جار (پڑوسی) اپنے گھر پر بلا کر دعوت کرنا چاہتا ہے ایسی رعایت حق جوار (پڑوس) میں داخل کر سکتے ہیں؟ (یعنی یہ دعوت جائز ہے یا نہیں)؟ لَا یَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیۃ، وعید میں تو نہ داخل ہوگی، جناب نے اپنی تفسیر میں ایسی مدارات کو صرف تین وجھوں سے جائز ٹھہرایا ہے (۱) توقع ہدایت کے لیے (۲) دفع ضرر کے لیے (۳) اکرام ضیف کے لیے مگر نہ اکرام میزبانی کے لیے اور صورت مسئولہ میں تینوں صورتیں نہیں۔

الجواب: اکرام جس طرح ضیف (مہمان) کا مامور بہ ہے اسی طرح جار (پڑوسی) کا بھی تو یہ اس میں باشتراک علت داخل ہوسکتا ہے (یعنی جائز ہے)[3]

غیر مسلم سے سلام کرنے اور اس کے سلام کا جواب دینے کا حکم

مسئلہ: اگر کافر سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں گو جائز ہے، اور حدیث میں جو اس کے جواب کا خاص صیغہ آیا ہے کہ صرف علیکم کہے تو وہ جب ہے جب احتمال ہو کہ اس نے شرارت سے سلام کیا ہے، ورنہ جائز ہے، بلکہ حاجت کے وقت ابتداء بھی درست ہے **نقلہ فی الروح عن الحسن وعن الشعبی وقتادہ ابن عباس رضی اللہ عنھم**[4]

---

[1] بیان القرآن ص۱۰۲ سورہ توبہ پ۱۰ [2] مقالات حکمت ص ۲۹۷ [3] امداد الفتاوی ۴/۲۷۰ [4] بیان القرآن سورہ نساپ۵

کافروں کے ایسے جلسوں اور مجمعوں میں جو کسی جائز مقصد کے لیے ہوں شرکت و اعانت جائز ہے، اشتہار تقسیم کرنا بھی جائز ہے

سوال ۳۴۷: ایک شخص رائے دیتے ہیں کہ انگریزوں کی نمائش میں کوئی دکان مراد آبادی برتنوں کی یا اور کسی مال کی کھولی جائے یا کسی کام کا ٹھیکہ لیا جائے، احقر نے جواب میں کہا کہ ایسے کام کا ٹھیکہ کفار کے مجمع کی اعانت ہے اور نمائش میں بھی یہی بات ہے اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ٹھیکہ میں تو اعانت ہے نمائش میں نہیں ہے (اس کا مقصد تو) ملک کی صنعت و حرفت کی جانچ ہے، اس میں حضور کا کیا ارشاد ہے اگر ایسے مجمعوں کی شرکت ناجائز ہے تو اپنے دواخانہ کے اشتہارات تقسیم کرنا درست ہیں یا نہیں؟

الجواب: کفار کا مجمع مطلقاً معصیت نہیں ہے بلکہ صرف جو کسی معصیت یا کفر کی غرض سے منعقد کیا جائے ایسے مجمع کی شرکت و اعانت سب حرام ہے اور جو کسی مباح غرض سے ہو جیسے مجمع مسئول عنہ (یعنی سوال میں جس مجمع کا ذکر ہے) کہ محض تزاید سرور و استحکام حکومت (یعنی خوشی اور رونق کے اضافہ اور حکومت کے استحکام) کے لیے ہوگا میرے نزدیک اس کا یہ حکم نہیں (یعنی ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے) ہاں اگر کسی مقتدا کی شرکت سے یہ احتمال ہو کہ عوام الناس میری سند پکڑ کر دوسرے ناجائز مجمع کو اس پر قیاس کر کے بد احتیاطی کرنے لگیں گے وہاں اس عارض کی وجہ سے سداًللذرائع خاص ایسے شخص کو بچنا واجب ہوگا۔ اور اشتہار تقسیم کرانا تو ہر حال میں جائز ہے، اس کو تکثیر سواد سے کچھ مس نہیں۔ واللہ اعلم[1]

---

[1] امداد الفتاوی ۴/۲۶۹۔

ہندوؤں کے مندروں اور غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں سیر وسیاحت اور زیارت کے لیے جانا ناجائز ہے

سوال ۳۴۹: ہندوؤں کے میلوں میں ان کی پرستش گاہوں پر مسلمان کا جانا اور خصوصاً عالم وواعظ کا جانا سیر (وسیاحت) کے طریقہ سے اور اس کو جائز سمجھنا اور آیت قُلْ سِيْرُوْا فِیْ الأَرْضِ سے دلیل پکڑنا کیسا ہے؟

الجواب: میلہ پرستش گاہ ہنود (یعنی ہندوؤں کے میلوں اور عبادت گاہوں میں) عموماً مسلمانوں کا جانا اور خصوصاً علماء کا جانا اور یہ بھی نہیں کہ کوئی ضرورت شدیدہ دنیاوی ہی ہو محض سیر وتماشے کے لیے (جانا) سخت ممنوع وقبیح ہے۔

اور اگر آیت فَسِيْرُوْا فِی الاَرْضِ کے یہی معنی ہیں جو مستنِد صاحب نے بیان فرمائے ہیں تو چاہئے کہ فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ سے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ’’نکاح کرو، ان عورتوں سے کہ تم خوش (پسند) آئیں۔ ماں، بہن اگر خوش معلوم ہوں ان سے بھی نکاح درست ہو جائے کیونکہ مَاطَابَ عام ہے، اگر اس کے قائل ہیں تو مبارک اور اگر کہیں کہ ماں بہن کی حرمت دوسری آیت سے ثابت ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ، تو ہماری طرف سے بھی اپنے استناد کا ایسا ہی جواب سمجھ لیں کہ ایسی جگہ جانے سے ممانعت دوسری آیت سے ثابت ہے فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ یعنی بعد نصیحت کے قوم ظالمین کے پاس مت بیٹھ یعنی کفار سے اختلاط مت کر، وفی الحدیث من کثر سواء قوم فھو منھم۔ (یعنی جس نے کسی قوم کے مجمع کو بڑھایا اس کا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوگا)۔

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب ایک لشکر کعبہ پر چڑھنے

کے ارادہ سے چلے گا جب قریب پہنچیں گے سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے۔ ازواج مطہرات میں سے بعض بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں تو بازاری دوکاندار لوگ بھی ہوں گے جو لڑنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں گے انکا کیا قصور؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آتا ہے، اس وقت دھنس جائیں گے پھر قیامت کے روز اپنی اپنی نیت (واعمال) کے موافق اٹھائے جائیں گے۔

پس جب یہ لوگ باوجودیکہ تجارت کی ضرورت کی وجہ سے ان کے ساتھ شامل ہوں گے اور عذابِ الٰہی سے نہ بچیں گے تو جس کو یہ بھی ضرورت نہ ہو وہ کیوں کر اس غضب اور عذاب سے جو کفار کے مجمع میں نازل ہوتا ہے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے[1]

---

[1] امدادالفتاویٰ ص۲۶۹ ج۴

باب ۸

صیانۃ المسلمین

اسلامی تنظیم چلانے کا مفید دستور العمل

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بات میں کہ آج کل مسلمانانِ ہند جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور آئندہ اس سے زیادہ مبتلا ہونے کا خطرہ ہے ان سے خود محفوظ رہنے اور دوسرے بھائیوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک جماعت نے ایک مجلس قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کی دفعات حسب ذیل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دفعات شریعت مطہرہ کے خلاف تو نہیں تا کہ ایسی دفعہ کو بدل کر شریعت کے موافق کر لیا جائے وہ دفعات یہ ہیں:

۱- احکام شرعیہ پر پورے اہتمام سے عمل کرنا اور جن اعمال پر قدرت نہ ہو ان میں معذوری ہے۔

۲- دوسروں کو ان احکام کی اور ان کی پابندی کی تبلیغ کرنا۔

۳- خصوصی احکام ذیل جن کو خاص دخل ہے حفاظت مقصودہ میں وہ احکام یہ ہیں، اسلام پر قائم رہنا، علم دین سیکھنا اور سکھانا، قرآن مجید کا پڑھنا، پڑھانا، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت درجہ عشق میں رکھنا، تقدیر پر ایمان لانا اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا، دعاء مانگنا، نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا، اور جو ان میں گذر گئے ہیں ان کے اچھے

حالات کی کتابیں پڑھنا یا سننا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا پڑھنا یا سننا، مسلمانوں کے حقوق کا خاص خیال رکھ کر ادا کرنا، اپنی جان کے حقوق ادا کرنا، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ حکام کا مقابلہ نہ کریں بلکہ تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دیں اگر حسب مرضی انتظام نہ ہو صبر کریں اور اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش ہو تو حکام ہی کے ذریعہ سے اس کی مدافعت کریں پھر خواہ وہ خود انتظام کر دیں، خواہ تم کو انتقام کی اجازت دے دیں نیز جان کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ ورزش کریں حدود قانون کے اندر فن سپہ گری سیکھیں، نماز کی پابندی رکھنا، ضرورت کے مقام پر مسجد بنانا، کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، زکوۃ دینا، نیز دوسرے نیک کاموں میں خرچ کرنا، روزے رکھنا، حج کرنا، اور اگر وسعت یا ہمت ہو روضہ شریف کی زیارت بھی کرنا، قربانی کرنا، اور اگر اس میں کوئی روک ٹوک کرے تو اس دستور العمل کو اختیار کریں جو ابھی اپنی جان کے حقوق میں مذکور ہوا، آمدنی اور خرچ کا انتظام رکھنا، نکاح سے نسل بڑھانا، دنیا سے دل نہ لگانا، گناہوں سے بچنا، صبر و شکر کرنا، صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ جہاں شریعت کا حکم ہو وہاں مالی یا جانی کیسی ہی تکلیف ہو، اس کو برداشت کرنا، مشورہ کے قابل امور میں مشورہ لینا، باہم محبت و ہمدردی و اتفاق رکھنا، امتیاز قومی یعنی اپنا لباس اپنی وضع اپنی بول چال اپنا برتاؤ وغیرہ وغیرہ مذہب والوں سے الگ رکھنا (ان اعمال کی تفصیل رسالہ حیوۃ المسلمین میں کی گئی ہے جو قابل ملاحظہ ہے)۔

۴- طریق عمل احقر کے ذہن میں یہ ہے کہ جس جگہ جماعت کو گو وہ قلیل ہی ہو توفیق ہو ایک مجلس بنا کر ان احکام پر عمل کرنے اور کرانے کی کوشش شروع کر دیں۔

۵- سہولت نظم کے لیے اس مجلس کا کوئی لقب بھی تجویز کر لیا جائے مثلاً صیانۃ المسلمین یا اور کچھ اور با قاعدہ اس کے کچھ عناصر بھی مقرر کر دیئے جاویں جن کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا۔

۶- یہ عناصر تین قسم کے ہوں گے۔ ایک ارکان، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا مشورہ مجلس کے کام کے لیے شرط ہوگا اور رکن کا چندہ گذار ہونا شرط نہیں دوسرے معین، یہ چندہ گزاروں کا لقب ہوگا۔ تیسرے عامل، یہ ان لوگوں کا لقب ہوگا جو نہ مشیر ہیں نہ چندہ گذار بلکہ محض بلا معاوضہ اپنی خدمات مجلس کے لیے وقف کرتے ہیں اور مجلس کی طرف سے جو خدمت ان کے سپرد کی جائے وہ اس کو حسبۃً للہ بجالاتے ہیں۔ ان تینوں عناصر کا تعلق باضابطہ ہے۔ چوتھے محبین جو محض خیر خواہی ودعا میں مشغول ہیں اور کوئی مناسب رائے خیال میں آتی ہے اس کی اطلاع مجلس میں کرتے ہیں اس طبقہ کا تعلق باضابطہ نہیں۔

۷- طبقہ ارکان میں سے ایک شخص کو اس مجلس کا صدر تجویز کیا جاوے جس کا انتخاب ارکان کے اتفاق سے ہوگا۔

۸- ارکان کا عدد بہت زیادہ نہ ہونا چاہئے، بلکہ ہر مقام پر ایسا عدد ہو جن کا اجتماع مشورہ کے لیے سہل ہو خواہ وہ مقامی ہوں یا بیرونی ہوں مگر ضرورت کے وقت بسہولت جمع ہو سکتے ہوں، اور بقیہ تین طبقوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔

۹- جدید رکنیت کے لیے قدیم ارکان کی متفقہ منظوری شرط ہے، جس میں وہ مختار ہیں اور بقیہ تین عناصر کی خدمات کا قبول کرلینا ارکان کے ذمہ لازم ہے۔ الا لمانع شرعي مفوض إلى رايهم۔

۱۰- ایک شخص دو خدمتیں لے کر دو طبقوں میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

۱۱- کوئی شخص خود رکنیت کی درخواست نہ کرسکے گا بلکہ ارکان سابق خود اس سے رکنیت کی درخواست کریں گے اور معین اور عامل خود درخواست کرسکتے ہیں ان کی درخواست پر ان کو ایک فارم دیا جائے گا جن میں ان کو اپنا نام ونشان اور وعدہ خدمت لکھنا ہوگا جس کا نقشہ ارکان تجویز کرسکتے ہیں اور یہ سب فارم مجلس میں محفوظ رہیں گے

اور محبین خود بھی درخواست کرسکیں گے۔ اور ان سے بھی درخواست کی جاسکتی ہے مگر یہ سب زبانی ہوگی اور اگر کسی جانب سے بھی خالص درخواست نہ ہو تب بھی ہر مسلمان سے عام درخواست اس وقت کی جاتی ہے کہ نیک مشوروں سے اور دعا سے اس مجلس کی مدد فرماتے رہیں۔

۱۲- صدر اور رکن کا تقرر جیسے اتفاق ارکان سے ہوا تھا اسی طرح ان کا عزل بھی اتفاق ارکان سے ہوگا۔

۱۳- اور صدر اور رکن کا استعفاء کسی کی منظوری پر موقوف نہیں لیکن ان کا احسان ہوگا اگر دو ہفتہ قبل اطلاع دے دیں۔

۱۴- باستثناء وقتی کاموں کے کوئی کام بدون مشورہ نہ کیا جائے۔

۱۵- مشورہ کے لیے صدر اور تین مشیروں کا اجتماع کافی ہے اگر صدر کو کچھ عذر ہو وہ وقتی مشورہ کے لیے کسی رکن کو اپنا قائم مقام بنادے اور اگر صدر سفر میں ہو خود ارکان کسی کو صدر کا قائم مقام بنالیں۔

۱۶- اگر اہل شوریٰ میں اختلاف ہوجائے تو جس جانب صدر کی رائے ہو قطع نظر اقلیت یا اکثریت سے اس کو ترجیح ہوگی اور اگر اہل شوریٰ اور صدر میں اختلاف ہوجائے تو احتیاط کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی یعنی اگر امر متنازع فیہ ایک رائے میں نافع محض غیر محتمل الضرر ہو اور دوسری رائے میں نہ نافع ہو نہ مضر، تو نافع والی رائے کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو کرلیا جائے گا اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع مگر غیر ضروری تو مضر والی کو ترجیح ہوگی اور اس کام کو ترک کردیا جائے گا اور اگر ایک رائے میں مضر ہو اور دوسری رائے میں نافع اور ضروری اور صرف یہ اختلاف اہم واشد ہے تو صدر کی رائے کو ترجیح ہوگی۔

۱۷- کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جائے گا نہ کوئی رائے خلاف شرع قبول کی

جائے گی اگر جواز وعدم جواز میں تردد ہو علماء سے استفتاء کیا جائے گا اگر انتخاب مفتی میں اختلاف ہو جائے یا علماء کے فتاوے میں اختلاف ہو جائے تو صدر کے تجویز شدہ مفتی کا فتوی معمول بہ ہوگا لیکن جس رکن کو اس میں شرح صدر نہ ہو وہ عمل پر مجبور نہ کیا جائے گا اس کو سکوت اور اس کام میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے گی، مگر مناقشہ کی اجازت نہ ہوگی اسی طرح کوئی کام خلاف قانون بھی نہ کیا جائے گا۔

۱۸- اس مجلس میں شریک ہونے کے لیے کسی پر اصرار نہ کیا جائے بہتر تو یہ ہے کہ ترغیب بھی نہ دی جائے لیکن اگر کسی مقام پر اس میں مصلحت ہو تو ترغیب میں مخاطب کی طیب خاطر وانشراح قلب سے تجاوز نہ کیا جائے صرف مجلس کے اغراض و مقاصد کی خصوصی یا عمومی اطلاع دی جائے جو شخص خود یا جائز ترغیب سے شرکت کرے اس کو شریک کرلیا جائے۔

۱۹- اس مجلس کی طرف سے کچھ مخلص واہل مبلغ بھی مقرر کئے جائیں کہ وہ احکام شرعیہ کی عموماً اور احکام مذکورہ نمبر۳ کی خصوصاً اشاعت کریں اور یہ تبلیغ بخطاب عام ہوگی اور اس تبلیغ میں غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے کی بھی ترغیب دیا کریں اور مناظرہ وغیرہ کسی سے نہ کریں۔ اگر کوئی خود درخواست کرے اس کو مناظرین کا پتہ بتلا دیں۔

۲۰- اس مجلس کی طرف سے کچھ فہیم وسلیم رضا کار بھی مقرر کئے جائیں کہ ان کا کام تبلیغ بہ خطاب خاص ہوگا۔ مثلاً نمازوں کے وقت مشغولین غافلین کو نرمی اور محبت سے نماز کا یاد دلانا، کوئی شخص خلاف شرع کام کرتا ہو یا اس کا ارادہ کرتا ہوا دیکھا جائے جیسے بدکاری یا شراب خوری یا قمار بازی اس کو نرمی سے شرعی وعیدیں یاد دلا کر سمجھا دینا لیکن اگر اس سے کوئی نہ مانے تو پھر اس پر مسلط ہو جانا یا کسی طرح سے زور دینا خواہ سختی سے خواہ ہاتھ جوڑ کر یا رستہ میں لیٹ کر یہ مناسب نہیں بلکہ جب ناصح کی باضابطہ حکومت نہ ہو ایسا کرنا اکثر مضر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے اگر یہ رضا کار کسی پر ظلم ہوتا

ہوا دیکھیں مثلاً کوئی شخص ایک مباح معاملہ کر رہا ہے جیسے کپڑا خریدنا یا بیچنا اور دوسرا اس کو معاملہ نہ کرنے پر مجبور کر رہا ہے تو یہ رضا کار اس مظلوم کی مدد کریں لیکن صرف مدافعت کی حد تک رہیں ظالم سے انتقام نہ لینے لگیں، اسی طرح راستہ میں کسی حاجتمند کا بوجھ اٹھوا دینا، کسی کو سوار ہونے میں مدد دے دینا، کسی پیاسے کو پانی پلا دینا، کسی انجان کو راستہ بتلا دینا، دو شخص لڑتے ہوں ان میں صلح کرا دینا۔ یہ سب رضا کاروں کی خدمات ہیں اور اس مظلوم یا حاجت مند میں یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ اپنے مذہب کا ہے یا دوسرے مذہب کا۔ سب کی مدد کرنا چاہئے، رضا کار کے یہ شرائط ہیں، اسلام عقل بلوغ ذکورت، طالب علمی میں مشغول نہ ہونا خواہ علم معاش ہو، خواہ علم معاد ہو، کسی کا ماتحت یا ملازم نہ ہونا۔

ان مبلغین اور رضا کاروں کی کوئی امتیازی علامت بھی ہو تو قرین مصلحت ہے۔

یہ مبلغین اور رضا کار سب صدر مجلس کے ماتحت ہوں گے کوئی کام بدون اس کی اجازت کے نہ کر سکیں گے۔

۲۳- یہ رضا کار روزانہ اور مبلغین ماہانہ صدر کے پاس یا صدر جس کو اپنی نیابت میں اس کام کے لیے منتخب کر دے اس کے پاس جمع ہو کر اپنی کارگذاری کی اطلاع دیا کریں اور آئندہ کے لیے مناسب احکام حاصل کریں اور مجلس کا جلسہ کم از کم ماہانہ ہوا کرے جس میں ضروری مشورے طے ہوا کریں۔

۲۴- ان مبلغین و رضا کاروں کی مالی خدمت کے لیے کچھ چندہ کا انتظام بھی کیا جائے مگر اس میں شرعی حدود کا اہتمام واجب ہے اگر چندہ کم ہو کام مختصر پیمانے پر کیا جائے اور جن رضا کاروں کو دلچسپی ہو ان کو ورزش وغیرہ بھی سکھائی جائے۔

۲۵- اگر مجلس میں ایسے حضرات شریک ہو جائیں جو مسلمانوں کو دکان کھلوانے کا انتظام کر سکیں تو مجلس اس خدمت کو بھی اپنے فرائض میں داخل کرے۔

۲۶- اور اگر مجلس میں ایسے حضرات شریک ہو جائیں جو مسلمانوں کی تکالیف کا

چارہ کار یا ان کے حقوق آئین اور تہذیب کے حدود میں رہ کر گورنمنٹ سے طلب کر سکیں تو مجلس اس خدمت کو بھی اپنے فرائض میں داخل کر لے۔

۲۷- وقتاً فوقتاً مجلس کی کارگذاری مع حساب چندہ شائع ہونا چاہئے۔

۲۸- اس کارگذاری کی عام روئداد بھی اور اس کی جزئیات وقتیہ خاص طور پر زبانی بھی حکام رس حضرات کے توسط سے حکام کو پیش کرتے رہیں تاکہ کسی مخالف کو بدگمانی پیدا کرنے کی گنجائش نہ ہو۔

۲۹- اس مجلس کا مرکزی مقام دہلی ہوگا اور دوسرے مقامات پر اہل مقام کو اختیار ہے خواہ مستقل طور پر اپنے یہاں ایسی مجالس قائم کریں خواہ اس مرکزی مجلس کی شاخیں بنا دیں اور شاخ بنانے کی صورت میں مرکز اور شاخوں کے باہمی تعلقات و حقوق وشرائط کے متعلق زبانی مشورہ کر لیا جائے۔

۳۰- شعبہ تبلیغ کے تحت میں مفید رسالے بھی حسب ضرورت وحسب وسعت وقتاً فوقتاً خرید کر مجلس میں محفوظ رہیں گے اور ایک خاص وقت میں عام مسلمانوں کو وہاں آ کر مطالعہ کی اجازت ہوگی اور اگر وسعت ہو تو ایسے رسائل چھپوا کر خرید کر عام مسلمانوں میں شائع بھی ہو جایا کریں گے مگر مجلس کے سرمایہ سے کوئی اخبار نہ خریدا جائے گا اگر کوئی مالک اخبار بلا معاوضہ بھیج دیا کرے یا ارکان یا غیر ارکان بطور خود خرید کر خواہ مجلس میں داخل کر دیں خواہ بطور خود مطالعہ کر کے استحضار واقعات سے مشورہ میں کام لیں اس کی اجازت ہے مگر ہر حالت میں یہ وصیت کی جاتی ہے کہ محض اخبار میں کسی واقعہ کے درج ہونے سے بدون اذن شرعی کوئی اثر نہ لیں۔

۳۱- چونکہ مذکورہ بالا کارگزاریوں کے لیے ضبط کی بھی ضرورت ہوگی اس لیے مجلس میں ایک فہیم مستعد محرر کا مقرر کرنا بھی ضروری ہے جس کی خدمت کی نگرانی صدر کے یا جس کو صدر تجویز کر دیں اس کے ذمہ ہوگی۔ اسی طرح دفتر کے لیے ایک مکان کی

بھی ضرورت ہوگی اور یہی مکان انعقاد مجلس کے بھی کام آئے گا۔

نوٹ: یہ مجلس خالص مذہبی ہے سیاسیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ کسی کی مدافعت میں نہ مخالفت میں اور محکومین کا حکام سے اپنا جائز حق حدود قانون میں مانگنا سیاست نہیں جیسا جائز ملازمت کی درخواست کو کوئی شخص سیاست نہیں کہہ سکتا۔

الجواب

یہ سب دفعات بالکل شریعت کے ایسے موافق ہیں کہ دلائل کی بھی حاجت نہیں لیکن چونکہ اس مجموعہ کی ضرورت اجتہادی ہے اس لیے اگر باوجود اعتقاد ان کے استحسان کے ان کو عمل میں لانے سے کسی کو دلچسپی نہ ہو اور وہ اپنے لیے ذوقا یکسوئی کو اسلم سمجھے اور اس مسلک کو پسند کرے، جس کو احقر نے رسالہ ''معاملة المسلمین'' کے نوٹ نمبر۲ میں اپنے لیے طریق عمل تجویز کیا ہے اس پر اس مجلس کی شرکت کے لیے اصرار نہ کیا جائے. چنانچہ خود مجلس مسئول عنہ کی دفعہ نمبر۱۸ میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اب اس جواب کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔

اللّٰهم اجعل هذه الجماعة، صيانة و حماية للمسلمين، عن كل خيانة و نكاية من غير المسلمين۔

کتبہ اشرف علی[1]

---

[1] افادات اشرفیہ، در مسائل سیاسیہ ص ۳۵

غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے کی ضرورت

تکمیل اسلام و تبلیغ اسلام دونوں ہی کی ضرورت ہے

جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہونچانا چاہئے۔ کیونکہ اول تو یہ بات مروۃ وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سودمند) چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے۔ دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن کو بیان کریں۔

تو اب دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے مگر ادھوری ہے۔ ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس شعبہ کا نام میں تکمیل اسلام رکھتا ہوں۔ دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے۔ ان کو اسلام پہنچانا چاہئے۔ اس شعبہ کا نام میں تبلیغ اسلام رکھتا ہوں۔ اس میں بہت زمانہ سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا۔

ہماری یہ حالت ہے کہ بہت لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی ضرورت ومرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر ومدارات ہوتی ہے۔ کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا۔ کیوکہ وہاں خاطر ومدارات کہاں، بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔[1]

---

[1] الاتمام لنعمۃ الاسلام ملحقہ محاسن اسلام ص ۲۸۷

کفار کو اسلام کی تبلیغ کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ

اسلام کی خدمت قاعدے سے کرو اس وقت تبلیغ اسلام کی سخت حاجت ہے اس کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔۔۔۔۔اور چونکہ اس وقت ترغیبِ اسلام کی سخت ضرورت ہے اس لئے لازم ہے کہ اس میں سب حصہ لیں اور اسلام کی خوبیاں بیان کر کر کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کریں۔

علماء سے پوچھیں ہمیں کیا کام کرنا چاہئے۔ اس کا طریقہ کیا ہے اپنی رائے سے کام تجویز نہ کرو، مبلغین کی خرچ میں مدد کرو مگر اپنے انتخاب سے کسی کو مبلغ مت بناؤ علماء سے پوچھو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۸۵)

اپنی بھی تکمیل کرو، اور تبلیغ بھی کرو۔ اور اس طرح کرو جیسے قرآن میں ہے مناظرہ مت کرو۔ کیونکہ یہ آداب تبلیغ کے خلاف ہے اور اس سے نفع بھی نہیں ہوتا۔ اس کا تجربہ ہو چکا ہے حتیٰ کہ غیر قوموں نے بھی اس کا تجربہ کر لیا ہے وہ بھی اب مناظروں سے کنارہ کش ہونے لگے۔ بس اسلامی مضامین کان میں ڈالے جاؤ۔ بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو یہی طرز قرآن میں ہے، جگہ جگہ فرماتے ہیں، صَرَّفْنَا الْاٰيَاتِ، صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ، یعنی بار بار مضامین کو دہراتے ہیں اگر ہم لوگ اس طرز کو اختیار کریں یعنی وقتاً فوقتاً احکام پہونچاتے رہیں تو انشاء اللہ بہت نفع ہوگا اور اگر نفع نہ بھی ہو تو ہمارا کیا بگڑا ہم نے اپنا فرض اتار دیا جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کر دیا۔

(خلاصہ یہ ہے کہ) کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو، جنگ وجدال بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں، کیا اس کے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ وجدال میں مشغول ہوں، اس کے حسن ہی کے بیان کرنے سے فرصت نہیں مل سکتی، پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۸۰و۷۶)

غیر مسلموں میں کام کرنے کی ترتیب

اسلام میں دو چیزیں ہیں، اصول وفروع، عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع۔ اور اس پر سب عقلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے۔ جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے، اس لئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اسلام کے اصول کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہئے کیونکہ اصول عقلی ہوتے ہیں ان پر عقلی دلائل قائم کر کے فریق مخالف پر حجت قائم کر سکتے ہیں۔ اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ان کا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت سے فروع سمع ونقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہ ہوں۔ سو بحمد للہ اسلام کے اصول سب عقلی ہیں اور فروع کے خلاف نہیں۔

پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید ورسالت کو ثابت کیا جائے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کر لیں گے تو اس کے بعد جس فرعی مسئلہ کی وہ دلیل مانگیں اس کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے ثابت ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً۔ اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم خلافِ عقل نہیں ہے کیونکہ خلافِ عقل محال ہوتا ہے یا قبیح۔ اور یہ حکم نہ محال ہے نہ اس میں کوئی قباحت ہے۔[1]

کفار کو اسلام کی تبلیغ کرنے کا طریقہ

اگر کافر سے دفعۃً (یکبارگی) یہ کہا جائے کہ اسلام لے آؤ تو اس سے گھبرا جائے گا پس حق تعالیٰ نے وعظ وتبلیغ کا طریقہ بتلایا ہے کہ نصیحت کے وقت پہلے مخاطب سے یوں

---

[1] محاسن الاسلام ۳۰۰

کہو کہ آؤ ہم تم کو ایک سچی بات بتلائیں کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہے اس کے وجود کو ماننا چاہے جب اس نے اس کو مان لیا تو اب یہ کہو کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس کا علم ایسا ہے، قدرت ایسی ہونا چاہئے۔ اس کو شرکت ومساوات اور تمام عیوب سے پاک ہونا چاہئے۔ ان باتوں کو سب مانیں گے۔

اس کے بعد اس سے کہو کہ پھر دیکھو کہ صانعِ عالم (دنیا کو پیدا کرنے والے) کی توحید اور تعظیم اس کی شان کے لائق کس مذہب میں ہے؟ یقیناً اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ بات نہیں۔ اب اس سے کہو کہ تم کو اسلام لانا چاہئے۔ کیوں اسلام ہی میں ان باتوں کی بخوبی تعلیم دی گئی ہے اس طرح مخاطب کو ذرا بھی وحشت نہ ہوگی۔ اور اگر دوسرے شخص کو شرعی اصطلاحوں میں نصیحت کروگے (مثلاً کافر سے یہ کہا جائے کہ اسلام لے آؤ) تو اس کو وحشت ہوگی۔ (التواصی بالحق ص ۱۶۸)

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کی جائے یا غیر مسلموں کو

ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو مسلم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کی جائے تو غیر مسلموں کو (نہ کہ مسلمانوں) کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہونچ ہی جائیں گے۔ باقی رہے کفار، سو وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ کبھی ان کو دوزخ سے خلاصی نہ ہوگی لہٰذا کفار کے لئے اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو حق کی (اسلام کی) تبلیغ کی جائے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول (عقائد، توحید، رسالت) ضروری ہیں۔ اسی طرح فروع (احکام ومسائل) پر بھی عمل ضروری ہے تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی

ضرورت کے درجہ میں فرق ہے۔ مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کرسکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے۔ بس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو، اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے اور نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں خود اپنی رائے سے نہیں دے رہا بلکہ اس کا فیصلہ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ عبس ۔۔۔۔ میں ان نابینا صحابی یعنی ابن ام مکتوم کے واقعہ میں ان دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا۔ اور ان دونوں موقعوں میں سے جس موقع میں نفع کی زیادہ امید تھی اس کو ترجیح دی گئی ہے۔ یعنی سورہ عبس میں ایک تو اس موقع کا ذکر ہے جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا کیونکہ کفار (غیر مسلموں) کے بعض سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کو اصول (توحید ورسالت) کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا مگر وہاں نفع یقینی نہ تھا۔ اور دوسرا موقع ان نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور وہ یہ موقع فروع (مسائل) کی تبلیغ کا تھا۔ مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا۔ اس لئے ان نابینا صحابی کی تبلیغ کو ان کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی۔ (الافاضات الیومیہ نہم جزء اول ص ۶۶ و ۶۷)

مشہور شخصیت سے مسلمان نہ کرانا چاہئے

تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے موقع پر غیر مشہور شخص مسلمان کرلے، مشہور شخص مسلمان نہ کرے اس میں یہ مصلحت ہے کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔

میری تو ہر حالت میں یہی رائے ہے کہ مشہور ہستیوں سے ایسے کام نہ لینے چاہئے، اس میں فتنے کا احتمال ہے، دشمنی بڑھے گی، سوتے ہوئے فتنہ کو جگانا ہے اور غیر مشہور ہستیوں میں یہ فتنہ نہیں، کسی کو توجہ بھی نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۳۱/۲)

باب ۹

مروجہ سیاست کے شرعی احکام

حکومت وسیاست بھی شریعت کا اہم شعبہ ہے

اس کے متعلق ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ سیاست کو دین وشریعت کا جزء نہیں سمجھتے، محض تمدنی امور سمجھ کر اس کا مدار رائے اور زمانہ کی مصلحت پر سمجھا جاتا ہے اور اس میں اپنے کو تصرف کرنے کا مختار سمجھا جاتا ہے[1]

یہ کیسی سخت غلطی اور کتنی بڑی جہالت ہے کہ سیاست کو لوگ دین نہیں سمجھتے سیاست بھی تو دین ہے (ورنہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام نے سیاست کی تعلیم نہیں دی سو یہ کتنی بڑی تحریف ہے[2]

مذہب اسلام میں جو ایک حصہ سیاسیات ہے وہ مدون (مرتب) ہے وہی بہت کافی اور خالص مذہبی سیاست ہے۔ اس کو اختیار کرو۔[3]

اسلام نے سیاست کی بھی تعلیم دی ہے

لوگ سمجھتے ہیں کہ شریعت کی تعلیم کامل نہیں، تمام حالات کے متعلق اس میں احکام نہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ شریعت نے صرف عبادات اور معاملات ہی کے احکام بیان کئے ہیں۔ سیاست کے متعلق شریعت میں تعلیم نہیں ہے۔

اس فاسد خیال سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ لوگ حد شرعی سے آگے بڑھنے لگے

---

[1] الانتباہات المفیدہ ص ۷۰، انتباہ ص ۱۳۔ [2] الافاضات الیومیہ ص ۱۵۲۔ [3] ملفوظات ۹۵۔

اور جو کچھ جی میں آیا کرنے لگے، کیونکہ ان کے خیال میں تو شریعت نے ان امور کی بابت گفتگو کی ہی نہیں (سیاست کے) احکام بیان ہی نہیں کئے، پھر دوسری قومیں بھی ان لوگوں کے طرز عمل کو دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ دین اسلام کی تعلیم ناقص ہے جس نے ایسے وقت کے لیے کوئی قانون مقرر نہیں کیا، بلکہ بعض لوگ تو مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھ کر دین اسلام کو وحشت اور عدم تہذیب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بے خبری کی وجہ سے کسی قدر اس نسبت کی وجہ صحیح بھی ہے، کیونکہ دوسری قومیں ہمارے مذہب کو کہاں معلوم کرتی پھرتی ہیں ان کے نزدیک تو ہمارے اعمال ہی مذہب کا آئینہ ہیں۔ جیسے ہمارے افعال ہوں گے اسی پر مذہب کو محمول کریں گے۔

الغرض شریعت مقدسہ نے سیاست کے متعلق بھی کافی قانون مقرر کیا ہے۔ شریعت نے ہر حالت کے متعلق ضروری قواعد بتلائے ہیں اور اسی کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ شریعت کامل ہے...... اور کسی قانون کا مکمل ہونا یہ ہے کہ اس کے تمام حالات کے متعلق قواعد ہوں...... شریعت کا کمال یہی ہے کہ اس میں تمام انسانی حالات کے متعلق مفصل قواعد موجود ہیں کوئی جزئی ایسی نکلنی ممکن نہیں جس میں شریعت کا کوئی حکم نہ ہو۔

اگر کوئی یوں کہے کہ گورنمنٹ کا قانون مکمل ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ اس کے کیا معنی ہیں، ہر عقلمند یہی کہے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری سلطنتوں کے مقابلہ میں اس میں ہر ہر محکمہ کے لیے کافی قانون موجود ہیں اور پھر ہر محکمہ کی جزئیات پر پوری تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

تو جب ایک سلطنت کے قانون کا مکمل ہونا اس کا عمدہ وصف ہے تو خدا کے قانون کے لیے نقصان کیوں تجویز کیا جاتا ہے؟ اور اگر خدا کے قانون کے لیے مکمل ہونا ضروری ہے تو پھر اس کے بغیر کہ تمام حالات کے متعلق مفصل احکام بیان کئے جائیں قانون کی تکمیل کیوں کر ہوسکتی ہے۔

الغرض شریعت مقدسہ نے سیاست کے متعلق بھی کافی قانون مقرر کیا ہے جس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کی تعلیم نا کافی ہے۔

واللہ شریعت ہی کے پابند ہو کر ہم سب کچھ ہو سکتے ہیں[1]

سیاسی ترقی کے حدود اور علماء کے ترقی سے منع کرنے کی حقیقت

خوب سمجھ لیجئے ترقی کے دو درجہ ہیں ایک وہ جس میں دین کا ضرور (نقصان) نہ ہو اور دوسرے وہ جس میں دین کا ضرر ہو۔ علماء پہلی ترقی کے حامی ہیں اور دوسری ترقی (جس میں دین کا نقصان ہو اس) کا ماحی (یعنی خلاف) ہیں۔

جیسے گورنمنٹ کو باوجودیکہ دینا وی ترقی کا حامی کہا جاتا ہے اور وہ اس کی حمایت کرتی ہے کہ رعایا ترقی کرے۔ مگر ترقی کی حمایت کے باوجودیکہ گورنمنٹ ہی کا قانون ہے کہ ڈکیتی بڑا جرم ہے۔ حالانکہ وہ بھی ترقی ہے اور ترقی بھی کیسی کہ ایک رات میں آدمی مالا مال ہو جائے مگر گورنمنٹ اس ترقی کی حامی نہیں بلکہ ماحی (یعنی اس کو ختم کرنے والی) ہے۔

صاحبو! یہی قاعدہ تو علماء نے اختیار کیا ہے بعض قسم کی ترقی کے حامی ہیں اور بعض ترقی کے ماحی (خلاف) ہیں یعنی جو ترقی دین کے لیے مضر نہ ہو اس کے حامی ہیں اور جو مضر ہو اس کے ماحی ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی بات اگر علماء کریں تو وہ مردود ہو اور وہی بات گورنمنٹ کرے تو مقبول ہو، بات تو دونوں جگہ ایک ہی ہے مگر حیرت ہے کہ ایک جگہ مقبول ہو، اور دوسری جگہ مردود ہو[2]

علماء کے مخالفت کی حقیقت

ہماری مخالفت ایسی ہے جیسے باپ کو بچہ کے ساتھ ہوتی ہے کہ جب بچہ غلط

---

[1] التبلیغ ص ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۹۵، حقوق السراء والضراء۔ [2] شب قدر، التبلیغ ۲۴/۸۔

طریقہ اختیار کرتا ہے تو باپ اس کا مخالف ہوتا ہے اور اس کو مارتا بھی ہے یا جیسے ماں اپنے بیمار بچہ کی مخالفت کرتی ہے کہ بچہ اپنی طبیعت کے موافق غذائیں مانگتا ہے مگر...... ماں اس کو نہیں دیتی بلکہ بسا اوقات ضد کرنے پر اس کو مارتی بھی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ان دونوں مثالوں میں دو قسم کے نقصان ہیں، ایک اھون (کم درجہ کا) اور ایک اشد (یعنی سخت) ماں باپ اشد الضرر (یعنی بڑے نقصان) کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ یہ عقلی قاعدہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے نقصان جمع ہوں ایک سخت دوسرا ہلکا تو ہلکے کو اختیار کر لینا چاہئے، مثلاً باپ نے بچہ کو غلطی کرنے پر جو مارا تو یہ بھی بچہ کے حق میں ایک درجہ کا نقصان ہے۔ اور دوسرا نقصان یعنی غلط طریقہ پر رہنا یہ زیادہ سخت ہے کیونکہ اگر بچہ غلط طریقہ پر قائم رہا تو اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ مثلاً وہ پڑھتا نہیں یا بری صحبت میں بیٹھتا ہے تو انجام بہت ہی برا ہوگا مثلاً وہ پڑھتا نہیں یا بری صحبت میں بیٹھتا ہے تو اس سے آئندہ اس کو بہت نقصان ہوگا۔ اور یہ نقصان پہلے نقصان سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے باپ نے کم درجہ کے نقصان کو اختیار کیا تا کہ بڑے نقصان سے محفوظ رہے۔

اسی طرح ہم مانتے ہیں کہ ہمارے بعض مشورے ایسے ہیں کہ ان سے دنیا کا ایک درجہ کا نقصان ہے مگر چونکہ وہ نقصان کم درجہ کا ہے جو آزاد چھوڑ دینے سے (اس سے بڑھ کر) پیش آنے والا ہے۔ اس لیے بڑے نقصان سے بچانے کے لیے کم درجہ کا نقصان اختیار کیا گیا ہے۔ اور وہ بڑا نقصان کیا ہے؟ وہ دین کی خرابی (اور شریعت کے خلاف ہونا) ہے۔ اس سے زیادہ بڑا کوئی نقصان نہیں۔ اگر اس کا نام مخالفت ہے تو ماں باپ اور استاذ سب مخالف ہیں۔

اور حقیقت میں کم درجہ کے نقصان کو اختیار کرنا تو اصلاح ہے ترقی والوں نے خوامخواہ ہم کو اپنا مخالف سمجھ لیا ہے ہم تو ایسی ترقی کے حامی ہیں کہ سات پشت تک اس کی برکت چلی جائے۔ اور ان کے پاس اپنے دعویٰ پر کہ ان کی ترقی حقیقی ترقی ہے

(اس پر) کوئی دلیل نہیں اور ہمارے پاس قرآن وحدیث سے دلیل موجود ہے۔[1]

مفاد پرست لیڈروں کے تابع نام نہاد علماء

علماء حقیقت میں صرف وہ ہیں جو لیڈروں کے تابع نہ ہوں بلکہ شرعی حکم کے تابع ہوں اور جو علماء لیڈروں کے تابع ہیں ان کی تو حالت یہ ہے کہ بخدا اگر لیڈر آج اپنی رائے کو بدل دیں تو یہ علماء بھی ادھر ہی ہو جائیں مگر ہیں عقلمند کہ فوراً اپنے فتوے کو نہ بدلیں گے کیونکہ اس سے عوام کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان کے فتوے لیڈروں کی رائے کے تابع ہیں بلکہ آہستہ آہستہ اپنی رائے کو بدل کر لیڈروں کے راستہ پر آ جائیں گے۔

آج کل علماء لیڈروں کے ساتھ دو وجہ سے ہیں یا تو اس لیے کہ ان سے علیحدگی میں جاہ (عزت) کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو علماء ان کے ساتھ نہیں ہیں ان کو عوام نے کیسا بدنام کیا اور کتنا برا بھلا کہا۔

یا روپیہ کی لالچ کی وجہ سے ان کے ساتھ ہیں کہ اگر ہم نے ان تحریکات میں شرکت نہ کی تو مدرسہ کا چندہ بند ہو جائے گا کوئی مدرسہ کی اعانت نہ کرے گا۔

ایک عالم نے مجھے لکھا تھا کہ ان تحریکات سے علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اکیلے رہ جاؤ گے، کوئی تمہارے ساتھ نہ ہوگا میں نے جواب دیا کہ مجھے خدا کا ساتھ ہونا کافی ہے اور کسی کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں۔

لعنت ہے ایسے مال وجاہ پر جس سے مخلوق کی رضا مقصود ہو مسلمانوں کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ خدا کی رضا کے سامنے اس کو کسی کی پرواہ نہ ہو، اگرچہ مخلوق اس کو پاگل کہے مگر خدا راضی ہو تو وہی اس کے لیے سلطنت ہے اگر وہ پاگل بھی ہے تو کس کا پاگل ہے۔[2]

---

[1] شب مبارک، التبلیغ ۲۲/۸-۲۳۔ [2] تقلیل الاختلاط، برکات رمضان ص ۳۳۷۔

باب۱۰

سیاست کی قسمیں اور علماء کا منصب

سیاست کے دو حصے

سیاست کے دو حصے ہیں ایک سیاست کے شرعی احکام یہ بے شک شریعت کا جزء ہے اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں چنانچہ ابواب فقہیہ میں کتاب السیر کا ایک مستقل جزء ہے جس کی درس تدریس کا پابندی سے اہتمام ہے۔

دوسرا حصہ سیاست کا تجرباتی تدبیریں ہیں جو ہر زمانہ میں حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں، اور یہ حصہ شریعت کا جز نہیں اور علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری نہیں، اس کی مہارت کے دوسرے ذرائع ہیں جن کا حاصل تجربہ اور خاص مناسبت (کا ہونا) ہے۔

لیکن اوپر جو عرض کیا گیا کہ سیاست کا یہ حصہ یعنی تجرباتی تدبیریں شریعت کا جزء نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حصہ شریعت سے مستغنی (بے نیاز) ہے اور اس کے استعمال کرنے والوں کو شریعت کے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ...... کیونکہ کوئی واقعہ اور کوئی عمل اور کوئی تجویز ورائے دنیا میں ایسی نہیں جس کے جواز میں شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، گو وہ شریعت کا جزء نہ ہو (لیکن) جزء نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ (البدائع ص۲۴)

سیاست میں کودنا علماء کا منصب نہیں

اگر تم یہ چاہو کہ (علماء) اس سے آگے بڑھ کر سیاست میں عملی طور پر بھی حصہ لیں اور تمہارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں اور نہ تم کو انہیں مجبور کرنے کا حق ہے۔ تم نے علماء کو سمجھا کیا ہے؟ علماء جس کام کو کر رہے ہیں وہ اس قدر اہم وضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں کیونکہ علماء اگر مر جائیں گے تو علم دین کو کون سنبھالے گا؟ اسی لیے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہجرت کرنے سے منع کرتے تھے کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا۔ اب لوگ اس کو تو دیکھتے نہیں کہ علماء کو سیاست میں پڑنے سے خود فقہاء اسلام نے منع کیا ہے، بس ان کو تو الزام دینے سے کام ہے۔ مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئے اس کا الزام سب سے پہلے علماء پر ہے۔

جو کام علماء کا ہے وہ کریں ...... علماء سے مسائل پوچھو، دنیا کے حاصل ہونے کی (اور سیاسی) تدبیریں انہیں کیا معلوم۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے علوم اولین وآخرین کے جاننے والے کے لیے فن باغبانی کے مسئلہ تابیر سے واقف ہونا لازم نہیں تو معلوم ہوگیا کہ یہ کوئی نقص نہیں، پھر غضب ہے کہ نبی کا تو فنون سے واقف نہ ہونا کوئی نقص نہ ہو، اور ایک مولوی بیچارہ اگر فن سیاست نہ جانتا ہو تو اس کا یہ نقص (عیب) سمجھا جائے اور اس کو ملامت کا نشانہ بنایا جائے [1]

---

[1] الافاضات الیومیہ ۱۰/۴۷۔

نبی کے لیے بھی سیاست میں حصہ لینا ضروری نہیں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلاَءِ مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَائِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكاً نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: کیا تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا، جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں[1]

ان آیتوں سے اثبات مدعیٰ (دعوی کے ثابت کرنے) کی تقریر یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی کے موجود ہونے کے ان نبی سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے (سیاسی) قائد بنئے بلکہ اس مقصد کے لیے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی سو اگر نبی کافی سمجھے جاتے (اور نبی کا سیاسی قائد ہونا ضروری ہوتا) تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی اور اگر یہ شبہ ہو کہ یہ نبی اسرائیل کی غلطی تھی تو اس غلطی پر ان کے نبی نے تنبیہ کیوں نہیں فرمائی، کہ میں کافی ہوں بلکہ بادشاہ مقرر کرنے کا انتظام شروع فرما دیا، اور اگر کوئی جسارت کر کے یہ کہنے لگے کہ ان نبی سے بھی لغزش ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کیوں نہیں فرمائی، بلکہ اس درخواست کو بلا نکیر قبول فرما لیا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہر نبی کے لیے بھی سیاست میں تجربہ و مناسبت لوازم میں سے نہیں۔ چہ جائیکہ علماء و مشائخ کے لیے لازم ہو بلکہ مفسرین کی نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی کہ وہاں کے سیاسی معاملات بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے، اور بادشاہ انبیاء کے حکم اور مشورہ کے مطابق چلتے تھے۔ چنانچہ تفسیر مظہری نے بھی اِبْعَثْ لَنَا مَلِكاً کے تحت یہی لکھا ہے۔

---

[1] بیان القرآن۔ [2] البدائع ص ۲۵، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۹۱

حضور ﷺ شان نبوت، شان سلطنت دونوں کے جامع تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں تھیں شان نبوت اور شان سلطنت اس کے بعد خلفاء راشدین بھی دونوں کے جامع تھے مگر اب یہ دونوں شانیں دو گروہ پر تقسیم ہوگئیں شان نبوت کے مظہر علماء ہیں اور شان سلطنت کے مظہر سلاطین اسلام۔ اب اگر یہ سلاطین (بادشاہ) علماء سے استغناء (بے پرواہی) کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے۔ اور اگر علماء سلاطین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعتراض لازم آتا ہے۔

موجودہ دور میں دونوں شانوں کے جمع کرنے کی صورت اور حکام وعلماء کی ذمہ داری

اب دونوں کے جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ سلاطین (بادشاہوں) سے تو میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنے حدود (قوانین) میں کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہ کریں جب تک اہل حق علماء سے استفتاء نہ کرلیں، اور علماء سے یہ کہتا ہوں کہ وہ نفاذ کے بعد اس پر کاربند ہوں (یعنی عمل کریں اور تائید کریں)۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دو شانیں اس طرح جمع ہوجائیں تو مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کی صورت نکل آئے، اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل پر آ لگے، ورنہ اللہ ہی حافظ ہے۔[1]

---

[1] ملفوظات ۳۲۱/۳، اصلاح المسلمین ص ۵۲۶۔

اولوالامر کون لوگ ہیں

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الاَمْرِ مِنْکُمْ۔ (سورۂ نساء)

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔

فائدہ: اولوالامر کی تفسیر اگر خاص حکام سے ہی کی جائے جیسا کہ متبادر یہی ہے اور علماء کو اس میں داخل نہ کہا جائے تب بھی (آیت کے) دوسرے جزء فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ میں علماء کے اتباع کا وجوب آیا۔ بلکہ حکام کی اطاعت سے بھی زیادہ کیونکہ علماء کو خود حکام کا بھی متبوع بھی قرار دیا ہے۔ پس یہ متبوع المتبوع ہو گئے (یعنی عوام پر تو واجب ہے کہ حکام کی اطاعت کریں اور حکام پر واجب ہے کہ علماء کی اتباع کریں یعنی شریعت کی روشنی میں ان کی بتائی ہوئی ہدایتوں پر عمل کریں)[1]

کام کی تقسیم اور کامیابی کا طریقہ

سب کو مل کر کام کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تجربہ کا کام تو لیڈر کریں کہ وہ کسی کام کے کرنے سے پہلے علماء سے جائز ناجائز معلوم کر لیں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں، اس طرح ہر شخص اپنے فرض منصبی کو انجام دے، اس صورت میں کامیابی کی امید نکل سکتی ہے کہ ہم اپنا کام کریں وہ اپنا کام کریں۔

سب کے مل کر کام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ سب ایک کام میں لگ جائیں یا ایک کا کام دوسرا کرنے لگے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مکان تیار کیا جا رہا ہے

---

[1] بیان القرآن پارہ: ۵ سورۂ نساء۔

اس کی تیاری کے لیے معمار (کاریگر) کی بھی ضرورت ہے۔ بڑھئی کی بھی ضرورت ہے، مزدور کی بھی ضرورت ہے، اب یہ بتلاؤ کہ سب مل کر جو تعمیر کا کام کر رہے ہیں اس کا کیا طریقہ ہے یہی کہو گے کہ کاریگر اینٹ لگائے مزدور گارا پہنچائے۔ اینٹ پہنچائے، بڑھئی آرا چلائے جب یہ سمجھ میں آ گیا اب میں پوچھتا ہوں اگر یہ سب مل کر اینٹ ہی لگانے لگیں یا سب کے سب آرا ہی چلانے لگیں یا سب کے سب گارا ہی پکڑانے لگیں تو کیا مکان تیار ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، اسی طرح یہاں خیال کر لو کہ سب کو مل کر کام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تجربہ کا کام تو لیڈر کریں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں، ہر قوم کے لیے تقسیم خدمات ضروری ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں۔ چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے، فوجی افسر جاتے ہیں، منشی، محرر، کلکٹر اور جج وغیرہ نہیں جاتے پھر نہ معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ تفسیر وحدیث وفقہ کا علم بھی حاصل کریں، فتویٰ بھی دیں، وعظ بھی کہیں، درس وتدریس بھی کریں مدرسے بھی قائم کریں اور لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لے کر سیاست میں بھی شریک ہوں [1]

لیڈروں اور نیتاؤں کی ذمہ داری

لیڈروں (اور مسلم نیتاؤں) پر لازم ہے کہ جو کچھ قومی ترقی کے طریقے سوچیں ان کو پہلے علماء کے سامنے پیش کر کے شرعی فتویٰ حاصل کر لیا کریں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ (یہ مناسب ہے یا نہیں) جب علماء فتویٰ دے دیں اس کے بعد ان سیاسی تدبیروں پر عمل کیا جائے۔

تقسیم خدمات بہت ضروری ہے قومی ترقی کے اسباب اور ذرائع تو لیڈروں کو

---

[1] الافاضات الیومیہ ۱/۱۳، ۱التبلیغ ص ۱۵، الحدود والقیود۔

سوچنا چاہئے اور ہر تدبیر کے جواز وعدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کریں بلکہ علماء سے استفتاء کرلیا کریں ورنہ محض ترجمہ پڑھنے سے قرآن (حدیث) حل نہیں ہوسکتا۔

(خلاصہ یہ کہ) لیڈر علماء سے پوچھ کر کام کریں (یعنی) تجربہ کا کام لیڈر کریں اور کام کرنے سے قبل علماء سے جائز ناجائز معلوم کرلیا کریں[1]

نام نہاد لیڈروں کی بدحالی

آج کل کے لیڈر اکثر عقل سے کورے ہیں۔ جب عقل صحیح نہیں پھر ایسی عقل میں اسلامی احکام کیسے آئیں...... پھر نماز نہیں، روزہ نہیں، زہد نہیں، تقویٰ نہیں، ان اعمال سے بھی عقل میں نور پیدا ہوتا ہے...... پھر دعویٰ بھی ہے کہ ہم قوم کی کشتی کے ناخدا ہیں۔

ایسے (لیڈروں) کی بدولت مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے ہر روز ایک نیا لباس بدل کر پلیٹ فارموں پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔[2]

اگر کہا جاتا ہے کہ تم خود عمل کر کے دکھلاؤ، پہلے اپنی اصلاح کرو، کیونکہ تمہارا نہ ظاہر ٹھیک ہے نہ باطن نہ صورت، نہ سیرت، اور مسلمانوں کے رہبر اور مقتداء بنتے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ آپ ذاتیات پر حملہ کرتے ہیں۔ ارے بھلے مانسو! تم اللہ اور رسول کے احکام پر حملہ کرو، احکام الٰہیہ کے بجائے اپنے دماغ سے تراشی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کے لیے دنیا (کے مسلمانوں) کو مجبور کرو، اسلامی احکام کی پامالی کرو، مگر دوسرا تمہارا کسی حالت پر بھی نوٹس نہ لے، ایسی حالت میں تمہیں ہی دوسروں کو کہنے کا کیا حق ہے؟ دوسرا تمہاری کیوں ماننے لگے، وہ بھی یہی کہہ کر الگ ہوجائے گا کہ میری ذاتیات سے آپ کو کیا بحث، چلو چھٹی ہوئی۔ آدمی کچھ تو عقل سے کام لے۔

(ایسے لوگوں) کی بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی جلسہ (ہنگامہ) کرلیا دو چار

---

[1] التبلیغ الحدود والقیود، الافاضات ۱۴/۱ [2] ملفوظات ۸۴/۵۔

ریز رویشن پاس کرالئے (ایسے ہی لوگ) دین کے پکے دشمن ہیں۔ دوستی کے پردہ میں دشمنی کررہے ہیں، احکام اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں...... ہاتھ دھوکر اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں......اور قوم کے خیر خواہ، رہبر، مقتداء بنے ہوئے ہیں، اسلام کو غیروں سے شکایت نہیں اس کو تو مسلمانوں ہی سے شکایت ہے[1]

طلبہ مدارس کی سیاست میں شرکت

سخت افسوس ہے کہ بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ علم دین میں مشغول ہونے کو فضول اور بیکار سمجھتے ہیں نہ معلوم یہ سبق کہاں سے حاصل کیا ہے۔

یورپ میں بھی تو یہ طریقہ نہیں، وہاں بھی بعض اوقات اس قسم کی (سیاسی) تحریکات ہوتی ہیں مگر جو جماعت علم حاصل کرنے میں مشغول ہے اس کو ان تحریکات میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی[2]

میری رائے ہے کہ کسی تحریک میں بھی طالب علم کو شرکت کی اجازت نہ ہونا چاہئے آئندہ کے لیے اس میں سخت نقصان ہے جو اس وقت محسوس نہیں ہوتا، آخر میں پوچھتا ہوں کہ جب پڑھنے پڑھانے میں کوئی مشغول نہ رہے گا تو پھر کام کرنے والی علماء کی جماعت کہاں سے پیدا ہوگی؟ جو کرنا ہے تم ہی کرو، طلبہ کو تو اپنے کام میں لگا رہنے دو، تاکہ آئندہ دین کے احکام بتلانے والی جماعت کا سلسلہ جاری رہے۔ کیا یہ خیال ہے کہ آئندہ دین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی جیسا کہ کہتے ہیں کہ مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے...... میں کہتا ہوں کہ اگر دین نہ رہا اور احکام اسلام کو پامال کرنے کے بعد کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہوگا۔

طلبہ کو اس قسم کی کمیٹیوں اور جلسوں میں شرکت کی اجازت ہرگز ہرگز نہیں دینا

---

[1] ملفوظات ۶/۵، ۱۷/۲، ۱۰۳/۲، اصلاح المسلمین ص ۵۲۷۔ [2] الافاضات ۱۳/۱۔

چاہئے، کیا ان کاموں کے لیے طلبہ ہی رہ گئے ہیں، اور مسلمان کچھ کم ہیں؟ ان سے کام لو۔[1]

دینی مدارس میں سیاست کی تعلیم

فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے علوم اولین وآخرین کے جاننے والے کے لیے فن باغبانی کے مسئلہ تابیر سے واقف ہونا لازم نہیں (جیسا کہ مشکوۃ شریف کی روایت میں آیا ہے) تو معلوم ہوگیا کہ یہ کوئی نقص (اور عیب) نہیں۔ پھر غضب ہے کہ نبی کا تو فنون سے واقف نہ ہونا کوئی نقص (عیب) نہ ہو، اور ایک مولوی بیچارہ اگر فن سیاست نہ جانتا ہو تو اس کا یہ نقص سمجھا جائے اور اس کو ملامت کا نشانہ بنایا جائے۔

تو تعلیم یافتوں کی کیا شکایت آج کل کے مولوی خود پھسل گئے، چنانچہ بعض لوگوں نے میرے سامنے خود یہ تجویز پیش کی کہ علماء کو ماہر سیاست ہونا چاہئے، ان کو مصر پہنچایا جائے، بیروت بھیجا جائے تاکہ وہاں کے ماہرین سیاست سے وہ سیاست سیکھ کر آئیں اور یہاں کے مدراس دینیہ میں طلبہ کو سیاست کا باقاعدہ نصاب تجویز کرکے سیاست کا درس دیا کریں۔

میں نے کہا کہ اس کے بجائے کہ یہاں سے علماء وہاں سیاست سیکھنے کے لیے بھیجے جائیں وہاں سے ماہرین سیاست کو تنخواہ دے کر بلایا جائے، اور وہ علماء کے سامنے اپنے سیاسی اصول کو پیش کرکے ان کے متعلق احکام شرعیہ پوچھیں، اور علماء انہیں سیاسی جزئیات کے متعلق شرعی احکام بتلائیں اس طرح ماہرین سیاست تو ماہر شریعت ہوجائیں اور ماہرین شریعت ماہر سیاست ہوجائیں ...... بس اس وقت تو ہاں ہاں کرتے رہے پھر وہی خبط۔[2]

---

[1] الافاضات ۱/۹۹، ۱/۱۲۱۔ [2] الافاضات الیومیہ ۱۰/۴۔

مروجہ سیاست میں علماء کے شریک نہ ہونے کی ایک وجہ

ہندوستان میں موجودہ سیاست کا حاصل یہ ہے کہ گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت رہ کر اپنے حقوق کی حفاظت کی جائے لہٰذا موجودہ سیاست کے لیے ضروری ہوا کہ گورنمنٹ کے تمام قوانین پر بھی عبور ہو اور انگریزوں (یعنی حکام) کی طبیعت اور مزاج سے بھی پوری واقفیت ہو، اور یہ بات پیدا ہوتی ہے ان میں گھل مل کر رہنے سے اور ظاہر ہے کہ علماء ان سب باتوں سے ناواقف ہیں تو یہ اگر سیاست میں بحیثیت لیڈر کام کریں گے تو ان کی ناواقفی کے سبب مسلمانوں کو بجائے نفع کے نقصان پہنچے گا۔ پھر تجربہ شاہد ہے کہ عام سیاسی لیڈر ملکی مصلحتوں کو دین پر مقدم رکھتے ہیں اور جب مصلحت و مذہب میں تعارض ہوتا ہے تو مذہب میں بعید تاویل کرنے میں دریغ نہیں کرتے علماء بھی اس میں مبتلا ہو رہے ہیں، اور ان کی تاویل چونکہ برنگ دین ہوتی ہے اس لیے وہ عام مسلمانوں کو زیادہ غلطی میں مبتلا کرتی ہے[1]

علماء کو سیاست میں حصہ لینا کب ضروری ہے

اگر کسی وقت کوئی سیاسی جماعت ایسی نہ ہو جو کہ علماء سے احکام پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرے جیسا کہ اس وقت غالب ہے، تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں، ورنہ محبان دنیا (مفاد پرست لیڈر) دینی مقاصد کو (اور امت کو) تباہ کر دیں گے۔ بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنائیں جو علم و عمل دونوں میں سیاست و شریعت کے جامع ہوں مگر یہ حکم سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سیاست بدنیہ یعنی طب بلکہ اسباب معاش میں سے جتنے فرض کفایہ ہیں، مثلاً تجارت، زراعت سب کا یہی حکم ہو گا۔

---

[1] البدائع بدیعہ نمبر: ۱۰ص ۲۷۔

اور ان سب مفاسد کی اصلاح کے لیے جماعت کا انتظام کرنا ہر حال میں استطاعت کے ساتھ مشروط ہوگا یہ ایک کلی تحقیق ہے۔[1]

علماء کی سیاسی جماعت کا طریقہ کار

اس وقت طریقہ کار یہ مفید ہوسکتا ہے کہ سیاسی جماعت علیحدہ ہو اور مذہبی علیحدہ، مذہبی جماعت اپنا اصلی کام تبلیغ کا اس طرح انجام دے کہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے کہ یہ سیاسی جماعت مسلمانوں کے حقوق گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے وقت شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے اور چونکہ موجودہ زمانہ میں سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھ کر عمل کرنے کی عادی نہیں رہی، اس لیے علماء کے ذمہ ہے کہ خود اس جماعت کے پاس پہنچیں اور احسن طریقہ سے تبلیغ کریں۔

اگر علماء اپنا اصلی کام تبلیغ رکھتے تو عظمت و وقار میں چار چاند لگ جاتے اگر علماء حضرات تبلیغ فرما کر لیڈروں کو سنبھالتے، اور ان کو مفید مشورے اور طریقہ کار سے رہنمائی کرتے تو اس طرز میں شرعی طریقوں پر مسلمانوں کے حقوق (اور ان کے جان و مال) کی حفاظت بھی ہوتی اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی[2]

---

[1] البدائع ص ۲۸۔ [2] البدائع ص ۲۴، افادات اشرفیہ ص ۹۵۔

باب ۱۱

سیاست میں کفار مشرکین سے مدد لینے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا شرعی حکم

فی شرح السیر الکبیر باب الاستعانۃ باھل الشرک واستعانۃ المشرکین بالمسلمین ...... ولا بأس بان یستعین المسلمون باھل الشرک علی اھل الشرک اذا کان الاسلام ھو الظاھر الخ۔ (جلد۳)

اس روایت کا حاصل یہ کہ کفار کے ساتھ ایسے معاملات میں (یعنی سیاسی امور میں کفار کے ساتھ) شرکت کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے تابع ہوں اور اگر وہ ہمارے تابع نہ ہوں خواہ متبوع ہوں (یعنی ہم ان کے تابع ہوں) یا دونوں قوت وعمل میں برابر ہوں تو ان کے ساتھ شرکت جائز نہیں۔ جس کی وجہ اسی روایت میں مذکور ہے کہ جب انہیں بھی مستقل قوت حاصل ہے تو شرکت میں اندیشہ ہے کہ جب مجموعی قوت سے ان کا مقابل مغلوب ہو جائے پھر وہ اپنی قوت سے مسلمانوں کو مغلوب کر سکتے ہیں۔

اور اگر کہیں اس شرط کے خلاف ہوا ہے جیسے ایک غنیم کے مقابلہ میں نجاشی کی مدد حضرات صحابہ نے لی تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ نجاشی اس وقت مسلمان ہو گئے تھے یا یہ وجہ ہے کہ مسلمانوں کو موجودہ حالت میں کسی پناہ کی حاجت تھی اور نجاشی بہ نسبت اس غنیم کے مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید تھے اس لیے اس موقع پر وہ شرط نہیں رہی، یہ حاصل ہے روایت کا۔ (معاملۃ المسلمین ص ۳۱، اشرف السوانح ۳/۲۰۳)

فاسقوں فاجروں اور بدعتیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا حکم

کہاں اصل ایمان کا فقدان اور کہاں فروع اعمال کا نقصان (اول میں تو سرے سے ایمان ہی نہیں، دوسرے میں ایمان کے ساتھ اعمال کی کوتاہی ہے) ایک کا قیاس دوسرے پر محض فاسد، اور قیاس مع الفارق ہے خصوصاً جب کہ اس دوسرے نقصان کی اصلاح کی توقع بھی ہو۔

شرح سیر کبیر سے ایک روایت نقل کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خواہ فاسق، فاجر بدعتی خارجی ہی کیوں نہ ہو، حربیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ مل کر کوشش کرنا درست ہے۔

وفی شرح السیر ولابأس بأن یقاتل المسلمون من أهل العدل مع الخوارج المشرکین من أهل الحرب الخ۔ (۲۴۱/۳)

اور ظاہر ہے کہ اہل مسلم کی کوتاہیاں خوارج کی بد دینی کے درجہ تک تو نہیں پھر جب کفار کے مقابلہ کے لیے خوارج کے ساتھ (جن کی امامت بھی مکروہ ہوتی ہے) اشتراک عمل (یعنی ان کے ساتھ مل کر کام کرنا) جائز ہے تو مسلم لیگ کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا[1]

سیاست میں کافر کی اقتداء

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص سیاست کا ماہر ہے مگر ہے کافر، اگر اس میں اس کی اقتداء کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟ فرمایا اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ اگر کافر نماز خوب جانتا ہو اور مسلمان نہ جانتا ہو تو اس کافر کی اقتداء جائز ہے؟

---

[1] الطریق الامم ملحقہ افادات اشرفیہ ص ۸۰۔

شبہ کا منشاء یہ ہے کہ سیاست کو لوگ دین نہیں سمجھتے خود یہی سخت غلطی اور بڑی جہالت ہے، سیاست بھی تو دین ہی ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام نے سیاست کی تعلیم نہیں کی، یہ کتنی بڑی تحریف ہے، پھر دین میں کافر کی اقتداء کرنے کا کیا مطلب؟ نیز کیا اس میں اسلام اور مسلمانوں کی اہانت (ذلت) نہیں ہے؟ اور کیا کوئی شخص کہیں یہ بات دکھلا سکتا ہے کہ اس طرح سے اسلام اور مسلمانوں کی اہانت کرانا اور ان کو ذلیل کرانا جائز ہے؟ اور کیا مسلمانوں میں ایسا کوئی نہیں جو سیاست جانتا ہو۔

البتہ اس طریقہ سے ان کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں کہ کافر تابع اور مسلمان متبوع ہوں (یعنی کافر، مسلمان کی اتباع کرتے ہوں تو درست ہے)۔[1]

مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے مستحکم و متحد ہونے کی ضرورت

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعاً وَلاَ تَفَرَّقُوْا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ موجودہ فضا میں مسلمانوں کو شدید استحکام (مضبوطی) کے ساتھ منظّم ہونے کی سخت ضرورت ہے اور ان کے تمام مصالح و منافع کی حفاظت اور تمام مضار و مفاسد سے صیانت (یعنی ترقی کرنے اور نقصان سے بچنے کی تدبیریں) اسی تنظیم پر موقوف ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت احکام شرعیہ کے بالکل موافق ہو، اگر اس وقت ملک میں اس صفت کی کوئی منظّم جماعت موجود ہوتی یا قریب میں اس کی توقع ہوتی تو جواب واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں نہایت افسوس ہے کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے، نہ قریب میں توقع۔ اس لیے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور قواعد شرعیہ کی رو

---

[1] الافاضات الیومیہ ۳/۱۵۲۔

سے اس میں جو نقص (غلط کام) ہو، (حسب قدرت) اس کی اصلاح کریں [1]

موجودہ حالات میں کس پارٹی کے ساتھ مل کر کام کریں

اصولی بحث اور ضروری تمہید

شرعی احکام دو قسم کے ہیں ایک اصلی، دوسرے عارضی یعنی احکام کبھی کسی شئ کی ذات پر نظر کر کے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض (یعنی عارضی حالات) پر نظر کر کے اور ان دونوں قسم کے احکام باہم مختلف بھی ہو جاتے ہیں۔ [2]

(مثال کے طور پر) مسجد الحرام مین جب تک مشرکین مکہ مسلط (اور غالب) رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز بھی بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے، اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے اور مشرکین نے آنے نہیں دیا، پھر اس پر صلح ہوئی کہ تین روز کے لیے تشریف لائیں، اور عمرہ کر کے چلے جائیں آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور محدود وقت تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے یہ سب اس وقت ہوا جب آپ کا تسلط (وغلبہ) نہ تھا، عذر کی حالت میں آپ نے اس عارضی حکم پر عمل فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقاعدہ مسلط فرما دیا اس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا۔ [3]

اور یہ شرعی و عقلی قاعدہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر (نقصان) جمع ہوں ایک اشد (سنگین) دوسرا اہون (یعنی کم درجہ کا) تو اہون کو اختیار کر لینا چاہیے، یعنی جہاں دونوں شقوں میں مفسدہ ہو مگر ایک میں اشد ایک میں اخف تو اشد سے بچنے کے لیے یا

---

[1] امدادالفتاویٰ ۳/۴۳۰، کمالات اشرفیہ ص ۱۱۵، افادات اشرفیہ ص ۳۳۔ [2] بوادر النوادر ۲/ ۷۷۔

[3] امدادالفتاویٰ، فقہ حنفی کے اصول ص ۶۲۔

اس کو دفع کرنے کے لیے اخف (ہلکے) کو گوارہ کرلیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی برا، مگر دوسرے مفسدہ کے مقابلہ میں پھر بھی اخف ہے[1]

(اس کے بعد سمجھئے) کہ موجودہ حالات میں افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ایسی جماعت (جو خالص اسلامی جماعت اور غلبہ وقوت والی ہو نہ موجود ہے) نہ قریب میں اس کی توقع ہے۔

(اس لیے ایسے حالات میں عارضی حکم یہی ہے اور) اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ (مسلمان) موجودہ جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں اور قواعد شرعیہ کی رو سے ان میں جو نقص ہو اس کی اصلاح کریں اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو اور دوسرے کی دشوار ہو تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس میں داخل ہو جائیں جس کی اصلاح آسان ہو۔

بس مسلمانوں کو اطمینان وتوکل کے ساتھ (ایسی ہی) جماعت میں داخل ہو جانا چاہیئے، پھر ان میں جو اہل قوت واہل اثر ہیں ان کو اپنی قوت واثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے، اور اصلاح کے طریقوں میں علماء محققین سے مدد لیتے رہیں۔ (یہ حکم عارضی ہے) اور جب کوئی جماعت مسلمہ منظّم، صاحب قوت صاحب اثر تیار ہو جائے (اس کے ساتھ) مل کر کام کریں۔ موافق مخالف ہر ایک کے ساتھ اسلامی اخلاق کو اپنا شعار رکھیں[2]

---

[1] ملفوظات اشرفیہ ص۴۱۔

[2] تنظیم المسلمین، افادات اشرفیہ ص۷۲-۷۳-۷۴۔ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص۷۲۔

کسی سیاسی جماعت میں شریک ہونے کے بعد علماء وعوام کے لیے لائحۂ عمل اور ضروری ہدایات

موجودہ حالت میں اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ موجودہ (سیاسی) جماعتوں میں سے کسی جماعت میں داخل ہوں ...... اس لیے میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان وتوکل کے ساتھ (ایسی جماعت) میں داخل ہوجانا چاہیے جس کی اصلاح آسان ہے۔

۱- (پھر) قواعد شرعیہ کی رو سے اس جماعت میں جو نقص (خرابیاں) ہوں اس کی اصلاح کریں۔

۲- جو لوگ اہل قوت اور اثر والے ہیں ان کو اپنی قوت واثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے۔

۳- اور جو اہل قوت نہیں (جن کا اثر نہیں ان کو چاہیے کہ) وہ اہل قوت کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کر کے تقاضے کے ساتھ ان سے اصلاح کی درخواست کرتے رہیں۔

۴- اور اصلاح کے طریقوں میں علماء محققین سے مدد لیتے رہیں۔

۵- جو علماء اس میں شریک ہوں ان سے تو علمی وعملی دونوں قسم کی امداد حاصل کریں۔

۶- اور جو علماء اس میں کسی مصلحت یا عذر سے باضابطہ شریک نہ ہوں ان سے صرف علمی مدد لیں یعنی ان سے واقعات (اور صورت حال) ظاہر کر کے شرعی احکام معلوم کرتے رہیں اور ان کے موافق حالت کو درست کرتے رہیں۔

۷- اور جو علماء باضابطہ کسی جماعت (پارٹی) میں شریک نہ ہوں وہ بھی بیکار نہ رہیں بلکہ وہ اس سے اہم خدمت میں مشغول رہیں اور وہ خدمت ہے خدا کے

بندوں کو احکام شرعیہ کی تعلیم وترغیب دینے کی جو مشترک طریقہ ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کا۔

۸- بلکہ پہلی قسم کے علماء (جو باضابطہ سیاسی جماعت میں شریک ہیں ان) کو بھی جتنا وقت خدمت سے بچے احکام کی اشاعت میں حصہ لینا ضروری ہے۔

۹- اپنی تنظیم کو ہمیشہ ہمیشہ مستقلاً جاری وباقی رکھیں اس کو کمزور نہ کریں۔

سب حالات میں قول وعمل، تقریر وتحریر میں موافق ومخالف ہر ایک کے ساتھ اسلامی اخلاق کو اپنا شعار رکھیں۔

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام میں لگے رہیں، اور اس رضا کی شرط یہ ہے کہ ہر کام میں اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پائے۔ یہی عبدیت کی روح اور حیات مسلم کی اصل الاصول ہے اور اس استقلال واستقامت کے ساتھ دعاء وابتہال کو اصل وظیفہ وتدبیر سمجھیں اور پھر حق تعالیٰ کی نصرت کے منتظر رہیں، اور ایک دعا بھی نماز کے بعد ورد رکھنے کے قابل ہے۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلی اللہ علیه وسلم
وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیهِ
وسلَّم وَلاَ تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ[1]

---

[1] تنظیم المسلمین، امداد الفتاویٰ ۴/۶۳۰۔

باب ۱۲

سیاسی اختلافات

سیاسی مسائل میں اختلاف کی بنیاد

بعض مسائل تو قطعی ہوتے ہیں ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی اور بعض مسائل اجتہادی وظنی ہوتے ہیں ان میں سلف سے خلف تک شاگرد نے استاذ کے ساتھ، مرید نے پیر کے ساتھ، چھوٹی جماعت نے بڑی جماعت کے ساتھ، ایک نے کئی کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور علماء امت نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور نہ ایک نے دوسرے کو گمراہ گنہگار کہا، نہ کسی نے دوسرے کو اپنے ساتھ متفق ہونے پر مجبور کیا نہ اختلاف کے ہوتے ہوئے بغض وعداوت ہوا، نہ مناظرہ پر اصرار کیا گیا۔ چنانچہ مشاجرات میں صحابہ کا اختلاف اور علیحدہ رہنے والوں کی علیحدگی کو سب کا جائز رکھنا معلوم ہے۔

ایسے ظنی اجتہادی مسائل میں اختلاف دو طرح سے ہوتا ہے ایک دلائل کے اختلاف سے، جیسے حنفی شافعی میں قراءت فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں۔ دوسرے واقعات (حالات) یا عوارض کے اختلاف سے جیسے امام صاحب اور صاحبین میں صائبات کے مسئلہ میں کہ جن کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں، انہوں

نے ان سے نکاح کو جائز رکھا اور جن کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے نہیں انہوں نے اس نکاح کو ناجائز رکھا تو یہ واقعہ کی تحقیق میں اختلاف ہوا کہ وہ اہل کتاب میں ہیں یا نہیں اس لیے فتویٰ میں اختلاف ہوا۔ (سیاسی مسائل میں بھی اختلاف کی یہی دو بنیادیں ہوتی ہیں کہ کسی کے ایک نزدیک ایک پارٹی مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید ہوتی ہے دوسرے کے نزدیک دوسری پارٹی)۔[1]

سیاسی اجتہادی مسائل میں اختلاف کا حکم

اس تمہید سے امور ذیل معلوم ہوئے:

ایک یہ کہ اس (قسم) کے اختلاف قطعی نہیں ظنی اجتہادی ہیں پس ان میں اختلاف کی گنجائش ہے گو کوئی چھوٹے درجہ کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم کے ساتھ اختلاف کرے، محض اس اختلاف سے کسی فریق (جماعت) کو دوسرے فریق پر لعن طعن سب و شتم (برا بھلا کہنا) یا اس کو کافر، فاسق کہنا یا ظلم و زیادتی کرنا، ایذاء پہنچانا، زبان سے یا عمل سے یا کسی بزرگ کا مخالف و بے ادب مشہور کر کے بدنام کرنا جائز نہیں۔

البتہ منکرات شرعیہ پر انکار اور اس کی برائی کرنا یہ واجب ہے اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔[2]

سیاسی امور میں اہل حق کا مسلک

سیاسی مسائل میں جب تک کسی قطعی فیصلہ کی شرعی ضرورت نہ ہو سکوت (یعنی خاموش رہنا ہی) مصلحت ہے۔

اس درسگاہ کا مسلک مختصر الفاظ میں ہمیشہ یہ رہا ہے اور ہے کہ اس نے اعلان حق میں کبھی دریغ کیا نہ عمل میں کبھی نمائش اور ہنگامہ آرائی کو دخل دیا اس کی جماعت جس

---

[1] سیاسات حاضرہ ص ۵، اشرف السوانح ص ۳۷۔ [2] سیاسات حاضرہ، افادات اشرفیہ ص ۷۔

طرح شورش پسند نہیں ہے اسی طرح کسی اثر سے متاثر ہو کر کتمان حق کرنے والی (یعنی حق کو چھپانے والی) بھی نہیں ہے یہ اس کا قدیم جماعتی مسلک ہے جس پر کسی انفرادی یا شخصی عمل کی ذمہ داری نہ کبھی پہلے عائد ہوئی ہے اور نہ اب ہو سکتی ہے۔[1]

سیاسی مسئلہ میں شرعی حکم میں اگر علماء کا اختلاف ہو جائے

جو معاملات پیش آئیں ان کے متعلق اگر علماء میں اختلاف ہو تو جو علماء کسی جماعت میں باضابطہ شریک نہ ہوں ان سے استفتاء کیا جائے۔

اور ان میں بھی اگر اختلاف ہو جائے تو شرعاً دونوں باتوں میں گنجائش سمجھی جائے، اور دونوں شقوں (صورتوں) میں سے بڑوں (جن کو سیاسی تجربہ حاصل ہے اور اللہ نے انہیں عقل سلیم دی ہے ان) کے نزدیک جو مصلحت ہو اس پر عمل کیا جائے۔[2]

سیاسی مسائل میں عوام کس کے فتوے پر عمل کریں

سوال: اگر کسی ایک عالم یا علماء کی کسی جماعت نے افعال مذکورہ میں شرکت یا موافقت کا فتوی دے دیا خواہ کسی فاسد غرض سے یا خلوص کے ساتھ اجتہادی غلطی سے، مگر بہت سے علماء اس فتوی سے متفق بھی نہیں تو کیا سب مسلمانوں پر اس فتوے پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے یا جس سے جس کو اعتقاد ہو اس کے فتوی پر عمل کر سکتا ہے اور کیا چند علماء سے خواہ وہ اکثر ہوں اتفاق کر لینا اجماع میں داخل ہو گا جس کی مخالفت ناجائز ہوتی ہے۔

الجواب: ایسا فتویٰ سب پر حجت نہیں، ہر شخص کو جائز ہے کہ جس عالم سے عقیدت ہو اس کے فتوے پر عمل کرے …… اور جواز شرکت کا فتوی دینے والوں

---

[1] معاملۃ المسلمین، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۳۴۔

[2] تنظیم المسلمین، امداد الفتاوی ۶۲۹/۴۔

کے قول میں اگر تاویل ہی کر دی جائے تو غنیمت ہے. مثلاً یہ کہ ان کی نیت نیک ہوگی اوران مفاسد پر ان کی نظر نہ ہوگی، اوراس کو اجماع تو کسی طرح کہہ ہی نہیں سکتے۔

اجتہادی مسائل میں ایک شق کو درست سمجھنا اور دوسری شق پر ملامت کرنا، ظلم و تعدی (حد سے آگے بڑھنے) کا مصداق ہے[1]

ممکن ہے کہ کوئی اپنے اجتہاد سے کسی مصلحت سے (کسی سیاسی نظریئے کو) ضروری کہہ دے مگر وہ وجوب اجتہادی ہوگا، دوسرے پر حجت نہیں[2]

---

[1] معاملات المسلمین، افادات اشرفیہ ص ۳۳۔ [2] افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۰۔

باب ۱۳

مروجہ سیاسی تدبیروں کے شرعی احکام

یا تو قتال یا پھر صبر اس کے علاوہ بھوک ہڑتال جیل بھرو تحریک شرعی حکم کے خلاف ہے

فرمایا شریعت میں دو ہی صورتیں ہیں قوت کے وقت مقابلہ اور عاجزی کے وقت صبر، خدا معلوم یہ تیسری صورت بخوشی گرفتار ہو جانے کی کہاں سے نکال لی۔

فرمایا شرعی دستور العمل یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو قتال کریں اور اگر قدرت نہیں ہے صبر کریں، اور درمیانی صورتیں مثلاً جتھوں کا جیل جانا، پٹنا، بھوک ہڑتال وغیرہ سب نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے اور نصوص کے خلاف اجتہاد کرنے میں بہت بڑا حرج ہے۔

اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی خودکشی جائز نہیں چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہنچے تو اس کا درجہ ظاہر ہے یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو کیا خودکشی کرنا جائز ہو جائے گا؟ اگر خودکشی پر کوئی نفع بھی مرتب ہو تو یہ خود اتنا زبردست نقصان ہے جس کا پھر کوئی بدل نہیں۔

نیز ہر نفع کا اعتبار نہیں اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اگر تم کنویں میں گر جاؤ تو فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے تو کیا اس کی جان بچانے کی غرض سے کنویں میں گر جانا جائز ہے؟

نیز قدرت **علی اضرار الخصم** (یعنی اپنے مخالف فریق کو نقصان پہنچانے کی قدرت) یہ ہے کہ جس میں خصم کا کوئی (معتد بہ و لائق اعتبار) نقصان ہو اور اس کے ساتھ اپنا کوئی یقینی ضرر نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ جیل وغیرہ جانے میں اپنا ضرر ہے اور ان کا کوئی معتد بہ (خاص) ضرر نہیں۔

نیز قدرت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اس پر تو قدرت ہے لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔

دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور پھر جو خطرات پیش آئیں گے ان کے دفع کرنے پر بھی قدرت کا عادۃً ظن غالب ہو، پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے دوسری صورت استطاعت شرعیہ ہے۔

مدافعت کی فرضیت کے لیے استطاعت شرعیہ شرط ہے (یعنی دوسری قسم کی قدرت) استطاعت لغویہ کافی نہیں ...... نیز ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں[1]

کافروں سے بائیکاٹ اور ان سے قطعاً معاملات نہ کرنے کا شرعی حکم

بائیکاٹ یا نان کا اپریشن جہاد کے افراد میں سے نہیں ...... بلکہ مقاومت (ومقابلہ) کی مستقل تدبیریں جو مباح ہیں کرنا چاہیے، اور ممکن ہے کہ کوئی اپنے اجتہاد سے کسی ضروری مصلحت سے ضروری بھی کہہ دے مگر وہ وجوب اجتہادی ہوگا۔ دوسرے پر حجت نہیں اور اس کو واجبات مقصودہ شرعیہ سے نہیں کہا جا سکتا۔

---

[1] ملفوظات اشرفیہ طبع پاکستان ص ۹۷، افادات اشرفیہ الروضۃ الناضرۃ ص ۱۰۔

(شرعی حکم تو یہ ہے کہ) بعض خاص تجارتوں کے علاوہ سب چیزوں کی خرید و فروخت کا معاملہ اہل حرب (یعنی حربی کافر) تک کے ساتھ بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ (جن کے ساتھ صلح ومعاہدہ ہوا ہو) شرح سیر کبیر جلد سوم میں اس کی تصریح موجود ہے۔

باب ما یکرہ ادخال دارالحرب الا انہ لابأس بذلک فی الطعام والثیاب ونحو ذلک الخ۔

اس وقت گاڑھا اور ولایتی کپڑا پہننے کا سوال اکثر ہوتا ہے اگر اس کی بناء (مقصد) بائیکاٹ ہے تب تو اس کا حکم وہی ہے جو اوپر گزر چکا۔ اور اگر اس سے قطع نظر یوں ہی (یعنی بائیکاٹ کے بغیر) ہے تو دونوں میں اباحت ہے (خواہ پہنے یا نہ پہنے) مگر تشبہ نہ ہندوؤں کے ساتھ جائز ہے نہ انگریزوں کے ساتھ۔[1]

ہڑتال کرنے کا شرعی حکم

سوال: اپنے رہبروں (علماء ولیڈروں) کی گرفتاری وغیرہ کے مواقع پر ہڑتال کر دینا یعنی دوکانیں بند کرانا اگرچہ کسی کو دوکان بند کرنے سے فاقہ ہی کی نوبت آجائے اور جو شخص ان مقاطعت اور احتجاجات میں شریک نہ ہو اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں حتی کہ بعض اوقات موقع پا کر مار پیٹ میں بھی دریغ نہ کریں۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس میں بھی وہی خرابیاں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئیں اور اگر ان احتجاجات میں شرکت نہ کرنے پر جسمانی ایذاء (تکلیف پہنچانے) کی بھی نوبت آجائے تو اس کا گناہ مالی نقصان سے بھی زیادہ سخت اور اسلامی تقاضے کے منافی ہے۔

---

[1] افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص۔ ۱-۱۲-۲۷، اشرف السوانح سوم۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ. الخ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کامل مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان و ہاتھ سے محفوظ ہوں اور مومن تو وہی ہے کہ جس سے لوگ اپنے مالوں اور جانوں کے حق میں مطمئن ہوں۔

پھر ان مقاطعات (بائیکاٹ) پر مجبور کرنے میں یہ ظالم خود اپنے تسلیم کردہ قانون آزادی کے بھی خلاف کر رہے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ اپنی آزادی کی تو کوشش کریں اور دوسروں کی آزادی کو ختم کریں[1]

شرعی قاعدہ کا مقتضیٰ

فرمایا جن چیزوں کی خیر القرون میں حاجت نہیں ہوئی اور خیر القروں کے بعد وہ حاجت پیش آئی اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں وہ تو مسکوت عنہا ہوسکتی ہیں، اور حکام کے مظالم تو ہمیشہ سے پیش آتے رہے، لیکن پھر بھی نصوص میں جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے تو اس اعتبار سے یہ نئی گھڑی ہوئی تدبیریں مسکوت عنہا نہ ہوں گی بلکہ منہی عنہا (یعنی منع) ہوں گی کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے ان کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر، اس لیے ممنوع ہیں[2]

ازخود بھوکا رہ کر جان دیدینے کا شرعی حکم

سوال: اگر کوئی گرفتار ہوجائے ان میں سے بعض لوگ جیل خانہ میں مقابلہ جوعی کرتے ہیں یعنی بھوک ہڑتال کرتے ہیں یعنی کھانا نہیں کھاتے یہاں تک کہ مرجاتے ہیں، اور قوم میں ان کی تعریف کی جاتی ہے؟

---

[1] افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ ص۲۲ و۲۸۔ [2] ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۱۱۷۔

الجواب: اس کا خودکشی اور حرام ہونا ظاہر ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔

کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر حالت اضطرار میں مرجانے کا اندیشہ ہو اور مردار کھانے سے جان بچ سکتی ہو اس کا نہ کھانا اور جان دے دینا معصیت (اور گناہ) ہے چہ جائیکہ حلال کھانا چھوڑ کر جان دے دینا۔

اور اس فعل کی تعریف کرنے میں تو کفر کا اندیشہ ہے کہ شریعت کی صریح تکذیب ہے کہ شریعت جس چیز کو مذموم کہتی ہے یہ اس کو محمود کہتا ہے۔[1]

حکومت کے خلاف بائیکاٹ کرنے اور حکومت کی قانون شکنی کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ملک ہندوستان میں ایک غیر مسلم قوم حکمراں ہے اس سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تدبیریں اختیار کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

۱- حکومت کی قانون شکنی کی جائے گو وہ قانون فی نفسہ مباح ہو یعنی اس کے ماننے سے کسی واجب کا چھوڑنا یا حرام کا ارتکاب لازم نہ آئے اور اگر حکومت اس پر سختی کرے تب بھی مدافعت نہ کرے نہ مقابلہ سے نہ قانون شکنی سے باز آنے سے گو اس اصرار سے بعض اوقات ہلاکت تک کی نوبت آجائے حالانکہ قانون شکنی سے بچ کر اپنی جان کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

۲- حکومت سے معاملات میں مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا جائے یعنی نہ ان کی

---

[1] معاملة المسلمين في مجادلة غير المسلمين افادات اشرفیہ ص ۲۹-۲۳۔

نوکری کریں، اگر چہ جائز ہی نوکری ہو اور اگر چہ دوسرے ذرائع معاش کے نہ پائے جانے سے اور نوکری نہ کرنے سے کتنی ہی تنگی ہو اور اس کی تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل نہ کی جائے اگر چہ وہ تعلیم مباح ہی ہو اور نہ اس کے ملک کی تجارتی اشیاء خریدی جائیں۔

۳- جن دوکانوں پر ایسی چیزوں کی تجارت ہوتی ہے ان پر پہرے دار مقرر کئے جائیں کہ وہ خریداروں کو جس طرح ممکن ہو روکیں...... نہ مانیں تو راستے میں لیٹ جائیں تاکہ وہ مجبور ہو جائیں اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کریں گو دوکاندار خوشی سے واپس نہ کرے اسی طرح دوکانداروں کو ایسی چیزوں کی تجارت بند کرنے پر مجبور کریں اگر وہ نہ مانیں تو اس کو طرح طرح کی تدبیروں سے نقصان پہنچائیں۔ دھمکیاں دیں گو اس دوکاندار کے پاس اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو۔

الجواب: یہ افعال شرعاً جائز نہیں اور مسلمانوں کو ایسے افعال کا ارتکاب جائز نہیں۔

۱- حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

۲- یہ مقاطعہ (بائیکاٹ) بعض اوقات واجب کے چھوڑنے کا ذریعہ ہو جاتا ہے مثلاً کسی کے پاس جائز نوکری یا کسی خاص تجارت کے علاوہ دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں اور اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اس پر کمانا واجب ہے تو اس بائیکاٹ سے اس واجب کا ترک لازم آتا ہے اور واجب کا ترک معصیت ہے۔

اور جن مقاطعات میں واجب کا ترک لازم نہ بھی آتا ہو مگر حکومت سے عداوت لازم آتی ہے اور بلا ضرورت شرعیہ کمزور کے لیے جائز نہیں کہ قوی (طاقتور) کو اپنا دشمن بنالے کہ اس میں بھی اپنے کو مصیبت میں ڈالنا ہے...... اور اس پر کسی کو مجبور کرنا ظلم و اکراہ ہے جس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

۳- یہ صورت بھی کئی گناہوں پر مشتمل ہے ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا، دوسرے خرید وفروخت پوری ہوجانے کے بعد واپسی پر مجبور کرنا اور زیادہ گناہ ہے کیونکہ اس میں بھی شرعاً متعاقدین (بیچنے خریدنے والے) کی رضامندی شرط ہے۔ تیسرے نہ ماننے والوں کو تکلیف دینا جو کہ صریح ظلم ہے، چوتھے اہل وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے[1]

خلاف قانون گولہ بارود اور بم بنانا

سوال (۱۵۵): سکہ ڈھالنا یا بندوق کی بارود بلا لائسنس بنانا قانوناً تو ناجائز ہے تو کیا شرعاً بھی ناجائز ہے؟ اور کیوں؟

الجواب: چونکہ اس میں خطرہ ہے اور خطرہ میں پڑنا شرعاً ناجائز ہے اس لیے بچنا واجب ہے[2]

نوٹ: جن حالات میں (قانون کے دائرہ میں) اپنے کو خطرہ میں ڈالنا جائز ہوگا اس وقت اس کا حکم بھی مختلف ہوگا۔ (مرتب)

---

[1] افادات اشرفیہ ص ۲۷۔ [2] امداد الفتاویٰ ۴/۱۳۹۔

باب ۱۴

مسئلہ امامت وامارت اور اس کے شرائط

سوال (۵۹۴): موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی غیر منظّم حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ضرورت کا تقاضا ہے کہ امارت الاسلام کی کوئی صورت نکالی جائے کیا آپ بیان فرمائیں گے کہ یہ مسئلہ شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

۱- کیا ہم کو کل ہندوستان کے لیے یا کسی خاص علاقہ کے لیے اپنا امیر مقرر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

۲- اگر حق حاصل ہے تو کیا شرائط ہیں؟

۳- اور آپ کی رائے عالی میں اس کے حاصل ہونے کے کیا ذرائع اور صورتیں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں؟

الجواب: حاصل ہے بشرط قدرت اور مشاہدہ ہے کہ موجودہ حالت میں امارت ارادیہ پر قدرت ہے امارت قہریہ پر قدرت نہیں۔

۲- تدین اور عقل۔

۳- یہ حکم شرعی کا سوال نہیں جس کا اہل علم سے جواب لیا جائے تدبیر کا سوال ہے جس کا جواب اہل تجربہ سے لینا چاہئے [1]

اس کام میں ضرورت ہے اتفاق کی …… اس کے لیے ارادت کافی نہیں قہر و قوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت امیر المومنین ہے اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی (ایسا) امیر یا سردار نہیں جو ان کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے جو روح ہے اس کام کو کرنے کی سب سے بڑا اور اہم مسئلہ یہ ہے۔ [2]

---

[1] امداد الفتاویٰ ۵۸۰/۴ [2] الافاضات الیومیہ ص: ۱۱۹

امیر مقرر کرنے کے شرائط وجوب

نصب خلیفہ (یعنی امیر مقرر کرنا) واجب ہے لیکن واجب کے لیے قدرت شرط ہے اور قدرت اس وقت مفقود ہے اس واسطے گو عالم اس وقت خلیفہ سے خالی ہے لیکن بایں حالات خلیفہ کے نہ ہونے سے کوئی گناہ نہیں۔[2]

(الغرض) امام کا مقرر کرنا دیگر دلائل سے واجب ہے اور تمام واجبات کا وجوب قدرت کے ساتھ مشروط ہے اور امام مقرر کرنے پر قدرت کی شرائط میں مسلمانوں کا اتفاق بھی ہے اور وہ موجودہ حالت میں (قدرت قہریہ نہ ہونے کی بنا پر) کبریت احمر (گویا محال) ہے۔ لہٰذا نہ گناہ لازم آئے گا نہ جاہلیت کی موت لازم آئے گی۔[3]

حدیث من لم یعرف إما م زمانه کی تشریح

(من لم یعرف امام زمانه)۔

اس حدیث کے معنی بندہ کے نزدیک یہ ہیں کہ اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچاننا یہ امام کی اطاعت نہ کرنے سے کنایہ ہے (اور یہ صادق آتا ہے) امام کے موجود ہونے پر (گویا) لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے کیونکہ امام کو نہ پہچاننا یہ مستلزم ہے اطاعت نہ کرنے کو۔[4]

کس امیر وسلطان کی اتباع واجب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور کہنا سنو، اور بات مانو اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اگرچہ حبشی غلام شرعی قاعدہ سے امام وخلیفہ نہیں ہوسکتا مگر شریعت میں

---

[1] ۔[2] الکلام الحسن ص ۱۵۔ [3] و[4] امداد الفتاوی ۳۶۹/۴، سوال نمبر ۴۶۱۔

جس طرح امام خلیفہ کی اطاعت واجب ہے اسی طرح سلطان کی بھی یعنی جس کو تسلط وشوکت (اور غلبہ) حاصل ہوجائے اور مسلمان اس کے سایہ حمایت میں امن و عافیت سے رہ سکیں۔ سوسلطان ہونے کے لیے وہ شرائط نہیں جو امامت وخلافت کے لیے ہیں البتہ اسلام شرط ہے۔ لقولہ تعالیٰ: وَاُولِي الأمْرِ مِنكُمْ[1]

الأئمة من قريش

فرمایا خلافت قریش کے لیے ہے غیر قریشی بادشاہ کو سلطان کہا جائے گا لیکن اطاعت اس کی بھی واجب ہوگی۔

اور بعض لوگوں نے جو کہا ہے کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے تو یہ نص کے خلاف ہے حدیث میں ہے: الائمة من قريش (یعنی امیر المومنین، قریشی ہوں گے)۔

نیز حضرات انصار پر جب یہ نص (حدیث) پیش کی گئی تو انہوں نے بھی اس کو تسلیم فرمایا پس گویا صحابہ کا اجماع ہوگیا۔

اور وجہ اس کی وہ ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اسلام سے اوروں کا تو محض مذہبی تعلق ہے اور قریش کا خاندانی بھی تعلق ہے کہ نبی اس خاندان کے ہیں تو ان کو اسلام کی حمایت دو وجہ سے ہوگی۔ البتہ جن لوگوں کے قبضہ میں سلطنتیں ہیں وہ اگر قریشی کو جب کہ اس میں اہلیت ہو خلیفہ نہ بنائیں تو مجرم ہوں گے۔[2]

جس نے کسی امام سے بیعت نہیں کہ کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا

سوال: ایک صاحب یہاں مشکوۃ شریف پڑھتے ہیں ان کو ایک حدیث میں شبہ ہے اور بندہ کو بھی شبہ ہے وہ حدیث یہ ہے:

من مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة الجاهلية۔ (رواه مسلم)

---

[1] فروع الایمان ص ۷۷۔ [2] الکلام الحسن ص ۱۵، شریعت وسیاست ص ۱۷، القول الجلیل ص ۴۷۔

جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کو اپنے امام کی بیعت حاصل نہ ہوا ایسا شخص جاہلیت کی موت مرا۔

(شراح نے) بیعت کے تحت میں ”ای للإمام“ لکھا ہے اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور ہم لوگوں کے لیے اس امر میں نجات کی کیا صورت ہے؟

الجواب : لیس فی عنقه سے کنایہ ہے: خروج عن طاعة الامام سے (یعنی امام کے خلاف بغاوت کرنے سے) اور یہ محقق ہے وقت تحقق امام کے (یعنی یہ اسی وقت ہوگا جب کہ خلیفہ وامام موجود ہو) اور جب امام نہ ہو تو اس معنی کر وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَة صادق نہیں آتا اس لیے کوئی تردد نہیں۔[1]

شرعی حاکم نہ ہونے کی صورت میں اہل حل وعقد حاکم کے قائم مقام ہوں گے

شریعت نے بہت سے احکام میں ضرورت کے وقت عامۃ المسلمین (یعنی عام مسلمانوں) کو سلطان کے قائم مقام ٹھہرایا ہے جیسے نصب امام خطیب جمعہ اور وقف کے متولی کا نصب کرنا وغیرہ لفقدان السلطان المسلم۔[2]

لیکن اب عام مومنین کا اجتماع تو مشکل ہے اسی لیے وہ لوگ ان کے قائم مقام ہوں گے جن کو عام مومنین سمجھیں گے کہ یہ ہمارے بڑے ہیں ان کو زبان حال سے مانتے ہوں خواہ ان کا دینی اثر ہو یا دنیاوی اثر۔ وہ کون لوگ ہیں؟ اتقیاء واہل حل وعقد۔[3]

خلاصہ یہ کہ عام مومنین کا اجتماع ہر وقت دشوار ہے تو اس صورت سے عام مؤمنین میں جو ذی اثر لوگ ہوں گے جیسے علماء و روساء، امراء، سلاطین جن کو اہل حل وعقد کہا جاتا ہے وہ ان کے قائم مقام سمجھے جائیں گے اور ان ذی اثر لوگوں کا اجتماع (واتفاق) عام مومنین کا اجتماع قرار دیا جائے گا۔ (الافاضات الیومیہ ۱۰/۲۲۰)

---

[1] امداد الفتاویٰ ۵/۸۸۔ [2] ملفوظات اشرفیہ ص۴۰۲ [3] حسن العزیز ۱۷/۳/۴۳ اسوم ۔ [2]